گیارہواں باب:

وقت کے اس پار

اس نے خواب میں دیکھا...
گھنٹی کی تیز آواز سے اس کی آنکھ کھلتی ہے...
وہ ہڑبڑا کے لحاف پھینکتی ہے... پھر بستر سے پیر نیچے اتارتی ہے...
اور چپل پیروں میں ڈالے باہر کو لپکتی ہے....
اب وہ تیز تیز زینے پھلانگ رہی ہے... دل زور زور سے دھڑک رہا ہے....
وہ دروازہ کھول کے باہر ڈرائیووے پہ آتی ہے...
سامنے گیٹ کے پار کوئی کھڑا ہے.... اس کے ہاتھ میں ایک ٹوکری ہے...
اس کے قدم سست پڑ جاتے ہیں... وہ گیٹ تک آتی ہے.... جنگلے کے اوپر سے ہاتھ بڑھاتی ہے.... آدمی اس کو ٹوکری پکڑاتا ہے...
وہ وہیں نیچے زمین پہ بیٹھتی جاتی ہے.... ٹوکری اس کے ہاتھ میں ہے..... اور چہرہ شکست خوردہ سا لگتا ہے.....
اب وہ ٹوکری میں موجود اشیاء پہ ہاتھ پھیر رہی ہے.... ان کی خوشبو نتھنوں سے ٹکرا رہی ہے..... تیز مانوس خوشبو.....
اور اس کی آنکھیں بھیگی جا رہی ہیں.....
ٹوکری میں رکھی چیزیں دھندلی نظر آ رہی ہیں...
اور..... خواب ہوا میں تحلیل ہو جاتا ہے....

☆......☆......☆

سرد ہوا کے زوردار جھونکے نے اس کے سر سے چغے کی ٹوپی گرا دی۔
تالیہ مراد چونک کے اٹھی۔
وہ سوئی نہیں تھی۔ بس کشتی کے کونے میں بیٹھے بیٹھے گھٹنوں پہ چہرہ ٹکا کے آنکھیں موندی ہی تھیں کہ یہ خواب دکھائی دیا۔ اب آنکھ کھلی تو دیکھا... کشتی پانی پہ تیرتی آگے بڑھ رہی تھی اور جزیرہ قریب آتا دکھائی دے رہا تھا۔

''کوئی برا خواب دیکھا ہے کیا؟'' ایڈم ہاتھوں پہ رسی لپیٹتے ہوئے قریب آیا تو اس نے گردن اٹھا کے اسے دیکھا۔ چغے میں ملبوس وہ رسی اٹھائے مصروف دکھائی دیتا تھا۔

''اچھے برے کا معلوم نہیں۔ مگر ہاں.... خواب ہی دیکھا ہے۔'' اس نے جھرجھری لی۔

''کیا دیکھا آپ نے؟'' وہ اس کے قریب آرکا۔ ساتھ ساتھ رسی بھی لپیٹ رہا تھا۔

''میں نے خود کو اپنے کے ایل والے گھر میں دیکھا۔ گھنٹی بجتی ہے۔ ایسی گھنٹی جس کا مجھے انتظار تھا جیسے۔ کوئی عادت ہو جیسے۔ میں بھاگ کے دروازہ کھولتی ہوں تو مجھے کوئی شخص ایک ٹوکری دیتا ہے.... جیسے تحفہ ہو.... مگر میں....'' وہ کہتے کہتے رک گئی جیسے خود میں ہی الجھ گئی ہو۔

''تحفہ ملنے پہ یوں غمگین کون ہوتا ہے ایڈم؟''

''جو خزانے ڈھونڈنے کے لئے جاتا ہے اور وقت کے اس پار کھو جاتا ہے.... شاید وہ!'' اداسی سے مسکراتے ہوئے ایڈم نے رسی کا گچھا دور ایک سپاہی کی طرف اچھالا جس نے فوراً سے اسے تھام لیا۔ دوسرے سپاہی اور خادم بھی لنگر انداز ہونے کی تیاریوں میں لگے تھے۔

''مگر اس ٹوکری میں کیا تھا؟'' اس نے آنکھیں بند کر کے یاد کرنا چاہا۔ ''میں اس چیز کی خوشبو پہچانتی ہوں۔ ایسے جیسے.... جیسے رسیلا چاکلیٹ ہو....'' پھر اس نے گہری سانس لی اور کھڑی ہوئی۔

''خیر.... ایک بات تو طے ہے کہ ہم اس زمانے کی قید سے جلد نکل جائیں گے۔''

''ہم یا صرف آپ؟''

تالیہ نے گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔ ''تمہیں لگتا ہے میں تم دونوں کو چھوڑ کے جا سکتی ہوں۔''

''جی بالکل مجھے ایسا لگتا ہے۔ کیونکہ.... آپ کو بیس فیصد خزانہ بھی مجھ سے بانٹنا برا لگ رہا ہو گا اندر ہی اندر۔''

''ہاں لگ تو رہا ہے۔ بیس فیصد جتنا کام تو تم نے کیا نہیں ہے۔ ہونہہ۔'' بالوں کو بے نیازی سے پیچھے جھٹکا اور عرشے پہ آگے کو بڑھ گئی۔ جزیرہ جیسے جیسے قریب آ رہا تھا.... سورج اسی رفتار سے ڈھلنے کی تیاری میں تھا۔

ایڈم نے کینہ توز نظروں سے اسے دیکھتے گہری سانس بھری۔

چے تالیہ جل بھی جائیں تو ان کے بل نہیں جائیں گے، یہ تو طے تھا۔

☆......☆......☆

بنداہارا کے دربار میں کھڑا اوان فاتح کہہ رہا تھا۔

''وہ ایک سمندری سفر پہ گئی تھی جس سے وہ لوٹ کے نہیں آئی تھی۔ اگر تم اس کو بچانا چاہتے ہو تو اسے کسی سمندری سفر پہ نہ بھیجنا۔''

مراد راجہ کے دل پہ کسی نے پیر رکھ دیا۔

''بس یہی یا کچھ اور بھی جاننا چاہتے ہو تم' راجہ؟'' بے تاثر سے انداز میں اس نے بات جاری رکھی۔

مراد کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کے ابھرتی دکھائی دی۔ مگر چہرے کے تاثرات اس نے بہت ضبط سے ہموار رکھے۔

''مجھے تمہاری کسی بات پہ یقین نہیں ہے۔ جاؤ اور میرے قید خانے میں اپنی باقی ماندہ زندگی گزارو۔'' قدرے غصے اور حقارت سے ہاتھ جھلا کے بولا تو فاتح ہلکا سا مسکرایا۔

''بہت جلد تم اتنے مجبور ہو جاؤ گے مراد راجہ کہ تم مجھے خود یہاں واپس بلاؤ گے اور اس کرسی (تخت کے ساتھ والی کرسی کی جانب اشارہ کیا) پہ بٹھا کے میرے ساتھ مذاکرات کرو گے۔''

مراد نے جواب نہیں دیا۔ ہاتھ دوبارہ جھلایا اور رخ موڑ لیا۔ سپاہی تیزی سے وارد ہوئے اور اسے بازوؤں سے پکڑا۔ اس نے مزاحمت نہیں کی۔ بس ایک نظر راجہ پہ ڈالی جو کمر پہ ہاتھ باندھے رخ موڑ گیا تھا' اور پلٹ گیا۔

''عارف!'' اس کے جانے کے بعد مراد قدرے بے چینی سے عارف کی طرف گھوما جو فکرمند سا وہیں کھڑا تھا۔ پیشانی شکن آلود تھی اور آنکھوں میں پریشانی تھی۔

''کیا تمہیں اس آدمی کی باتوں پہ یقین ہے؟'' عارف نے ایک نظر بند دروازے پہ ڈالی جہاں سے فاتح ابھی گیا تھا۔

''اس کی پیشانی کشادہ اور آنکھیں روشن ہیں۔ ایسے چہرے جھوٹوں کے نہیں ہوتے۔''

''پھر تم ابھی اسی وقت جنوبی محل کی طرف روانہ ہو جاؤ اور شہزادی کو بحفاظت واپس لے آؤ۔ ابھی' عارف!'' آخر میں اس کی مضطرب آواز بلند ہوئی تو عارف نے جھٹ سر جھکا دیا۔

''جو حکم راجہ!'' اور پھر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

مراد اب مارے اضطراب کے دربار میں دائیں بائیں چکر کاٹ رہا تھا۔ وہ اندر تک ہل کے رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

شام ڈھل گئی تو بند اہارا محل کے در و دیوار نے سرگوشیوں میں ایک دوسرے کو تہہ خانے کا احوال سنایا۔ کھڑکیاں احتجاجاً ذرا کھڑکیں اور دروازوں نے اپنے پٹ جھلائے مگر اونچے ستون بے حسی سے قید خانے کا منظر نامہ سنتے رہے۔

وہ جیل نیچے تہہ خانے میں بنی تھی۔ اندھیر کال کوٹھڑیوں کی قطار جن کے دروازے آہنی اور سلاخ دار تھے۔ ایسی ہی ایک کوٹھڑی کے اندر زمین پہ فاتح بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ کھلے تھے مگر دائیں پیر سے بندھی زنجیر کے سرے پہ بڑا سا لوہے کا وزن بندھا تھا جس کے باعث وہ چند قدم سے زیادہ نہیں چل سکتا تھا۔ مگر اس نے کھڑے ہونے کی کوشش بھی نہیں کی۔ بس کونے میں اکڑوں بیٹھا دیوار کو دیکھتا رہا۔ دیوار پہ لگے گارے اور اینٹوں کی خراشوں میں وہ ناخن سے لکیریں کھینچ کے حساب کتاب کر رہا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہیں آپ؟'' آریانہ دوسرے کونے میں چپکے سے آن بیٹھی تھی۔ فاتح نے نظریں اس کی طرف اٹھائیں۔ وہ سفید ہیئر بینڈ میں بال جکڑے' آلتی پالتی کیے بیٹھی اس کو غور سے دیکھ رہی تھی۔

''کتنے گھنٹے بیت چکے' یہ حساب کررہا ہوں۔ تمہارے باپ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔ اور میرے حساب کے مطابق وہ ٹھیک جارہا ہے۔'' وہ دوبارہ ناخن سے لکیر کھینچنے لگا۔

''آپ کو ڈر نہیں لگ رہا؟''

''مجھے ڈرنا نہیں' محض انتظار کرنا ہے۔ وقت کے اس پار جانے کا انتظار!''

''اور اس کے بعد؟ واپس جا کے آپ تالیہ کے ساتھ کیا کریں گے؟''

''وہی جو میں نے اس سے وعدہ کیا ہے۔ میں اس کو آزاد کردوں گا۔ وہ اپنی زندگی گزارے' خوش رہے' میں اپنی زندگی گزاروں گا۔'' اس نے ہلکے سے کندھے اچکائے اور ایک لکیر کھینچی۔ ناخن کی سوکھے گارے سے رگڑے جانے کی ناقابل برداشت آواز سنائی دی۔

''اور اگر کسی موقعے پہ آپ کو' واپسی'' یا'' تالیہ مراد'' میں سے کسی ایک کو چننا پڑے تو کیا کریں گے؟''

وہ چونکا۔ ''تمہیں ایسا خیال کیوں آیا؟'' بے حد حیرت سے اس نے کونے میں بیٹھی آریانہ کو دیکھا۔ جواب میں وہ استہزائیہ مسکرائی۔

''مجھے؟ مگر میں تو کوئی نہیں ہوں' ڈیڈ۔ میں آپ کا Subconcious mind ہوں جو آپ سے پوچھ رہا ہے کہ اگر چناؤ کا موقع آیا تو کیا کریں گے آپ؟''

اس نے جواب نہیں دیا۔ بس گردن موڑ کے دیوار پہ لگی لکیروں کو دیکھنے لگا۔ ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے اور آنکھوں میں بے چینی در آئی تھی۔

ذہن میں ایک دم آوازوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا تھا۔

(ایک وقت آئے گا جب آپ مجھے کہیں گے کہ آپ کو میری ضرورت ہے وان فاتح۔ کہ میں آپ کے ساتھ رہوں۔) تالیہ ہنسی تھی۔

(یہ ایک بے وفا آدمی ہے جس کو وعدے نبھانے نہیں آتے۔) ملکہ کی آواز میں سنجیدگی تھی۔

(میں وان فاتح ہوں اور مجھے کبھی کسی کی ضرورت نہیں ہوتی۔) وہ ایک زمانے میں کبھی یہ بولا تھا۔

(وان فاتح کو صرف وان فاتح سے محبت ہے!) عصرہ بے رحم ہوئی تھی۔

آوازیں.... یادیں.... سب دیوار پہ لگی لکیروں سے ٹکرا رہی تھیں۔ وہ سر جھٹک کے اپنی توجہ منصوبے پہ مرکوز کرنے لگا۔

☆......☆......☆

تین چاند والے جزیرے پہ سورج ڈوب رہا تھا۔

جوان سمندر لہریں بار بار ساحل تک لاتا اور پھر واپس لے جاتا۔ کشتی ساحل پہ لنگر انداز ہو چکی تھی اور سپاہیوں کا گروہ ریت پہ اترا کھڑا تھا۔ دائرے کی صورت وہ تالیہ اور ایڈم کے گرد کھڑے تھے۔ مورخ خاموش تھا۔ جبکہ چغہ پوش شہزادی ان کو ہدایات دے رہی تھی۔

''سب ٹولیوں کی صورت جزیرے میں پھیل جاؤ' مگر ساحل کی پٹی کے ساتھ ساتھ۔ اندر کی طرف جنگل شروع ہو جاتا ہے۔ ہم نے رات میں جنگل کے اندر نہیں جانا۔ صرف ساحل کی پٹی کے ساتھ جزیرے کو چاروں اطراف سے لپیٹنا ہے۔ کوئی بھی غیر معمولی چیز نظر آئے تو ایسی صورت میں....'' اس نے ایک ترکش سامنے کیا جو تیروں سے بھرا تھا۔ ''یہ آتش باز تیر ہیں اور تم سب کے پاس یہ موجود ہیں۔ اس کو سلگا کے ہوا میں چھوڑ و گے تو یہ فضا میں پھٹ جائے گا اور روشنی دیکھ کے باقی سب تمہاری طرف بھاگے آئیں گے۔''

''جو حکم شہزادی!'' سپاہی سر ہلا رہے تھے۔

''آپ میرے ساتھ رہیے گا۔'' وہ سب بکھر گئے تو ایڈم نے محافظانہ انداز میں کہا۔

''اوہ۔ اتنے بڑے ہو گئے ہو اور اندھیرے سے ڈرتے ہو؟ چچ چچ!'' تالیہ نے سادگی سے پلکیں جھپکائیں۔

ایڈم کی پیشانی پہ بل پڑے۔ ''میں آپ کے لئے کہہ رہا تھا۔''

''میرے لیے؟'' وہ ہنسی۔ ''میں تاشہ پسونا ہوں' میں کسی سے نہیں ڈرتی۔'' پھر بالوں کو جھٹکا' چغے کی ٹوپی برابر کی اور ایک طرف کو مڑی تو ایڈم بولا۔ ''ابھی تک نہ میں نے بنگارایا ملایو میں آپ کو ''ساحرہ'' کا لقب دیا ہے' نہ ہی ملاکہ میں کوئی آپ کو اس نام سے پکارتا ہے۔''

''شاید وہ وقت ابھی آنا ہے جب میں پسونا بنوں گی۔ تم جلنا چھوڑو۔ اور خزانے کو تلاش کرو۔'' گھمنڈی شہزادی اس کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ایک طرف کو چل دی۔ ایڈم ضبط کے گھونٹ بھرتا رہ گیا۔

سورج ڈوب گیا اور جزیرے پہ اندھیرا چھا گیا۔ ایسے میں پورا چاند آسمان پہ چمکنے لگا۔

جزیرہ بالکل خاموش تھا۔ کسی فوج' کسی مخلوق کی چاپ تک نہ سنائی دیتی تھی۔ کیا واقعی خزانہ اسی جزیرے پہ تھا؟ یا ان کے سارے حساب کتاب غلط تھے؟

وہ ٹھنڈی ریت پہ قدم بہ قدم چل رہی تھی۔ چوکنی نظریں چاروں طرف لگی تھیں۔ جزیرہ بالکل خاموش اور ساکن تھا۔ سوائے ساحل کی لہروں کے شور کے کوئی آواز....

اور ایک دم آواز سنائی دی۔ غراتی ہوئی آواز۔

وہ سناٹے میں رہ گئی۔

پس ثابت ہوا کہ جزیرہ زندہ تھا۔ ملاکہ کے اس قدیم جنگل کی طرح جس میں وہ چار دن تک پھنسے رہے تھے۔

تالیہ محتاط انداز میں آواز کی سمت چلنے لگی۔ آواز کسی جانور کی معلوم ہوتی تھی۔ جیسے کوئی مخلوق ڈکار رہی ہو...

جوتے میں کوئی سوراخ ہو گیا تھا جو ریت پیروں میں گھس رہی تھی۔ یوں لگتا تھا وہ ٹھنڈی ریت پہ ننگے پیر چل رہی ہے۔

ننھی ننھی چیزیں پیروں میں چبھ رہی تھیں مگر وہ چبھن سے بے پرواہ قدم اٹھاتی رہی۔ چغے کی ٹوپی نے اس کے سر کو ڈھانپ رکھا تھا مگر ہوا کے باعث وہ پشت سے پھڑ پھڑا رہا تھا۔

دفعتاً ایک مقام پہ وہ ٹھہری۔ سامنے آسمان پہ مکھن کی ٹکیا جیسا چاند چمک رہا تھا۔

اس نے نظریں دائیں طرف موڑیں۔ وہاں ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی جس کی چوٹی خوب روشن تھی۔ جیسے شیشے کی بنی ہو...

اس چوٹی کے چمکتے شیشے میں ایک دوسرا چاند نظر آرہا تھا....

وہ ایک دم گھومی۔

ہوا سے چغے کی ٹوپی پیچھے کو ڈھلک گئی۔ مگر اس کی سیاہ آنکھیں سامنے جم گئیں....

وہاں سیاہ کانچ جیسے سمندر کا پانی بہہ رہا تھا اور ایک چاند پانی کی سطح پہ چمک رہا تھا....

''جہاں ملتے ہیں تین چاند۔''

وہ چونک کے بڑبڑائی....پھر اس کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلے...

''یہاں....ہاں' یہاں ملتے ہیں تین چاند!۔''

پہاڑی کی چوٹی شیشے یا کانچ کی بنی لگتی تھی۔ چاند آسمان پہ چمک رہا تھا مگر اس کا عکس سمندر کے پانی اور چوٹی دونوں میں دکھائی دے رہا تھا۔

''تین چاند۔'' اس نے گہری سانس لی۔ تو یہ تھے تین چاند۔ انہی کے آس پاس آواز آئی تھی۔

''چے تالیہ۔'' ایڈم نے قریب میں سرگوشی کی تو وہ چونکی۔ وہ پیچھے سے تیز تیز آرہا تھا' تالیہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''سنو..تم باڈی مین ہو گے وان فاتح کے...میں اپنی حفاظت خود کر سکتی ہوں۔'' ایڈم نے جواب نہیں دیا۔ ایک دم ترکش سے تیر نکالا اور تالیہ کی طرف کمان تان کے تیر چلا دیا۔ وہ ہکا بکا رہ گئی۔ تیر زن سے اس کے پاس سے ہوا میں تیرتا پیچھے کو گیا۔ تالیہ گھومی۔

پہاڑی کے قدموں میں ایک آدمی کھڑا تھا اور وہ تالیہ کی طرف تلوار تانے بھاگا آرہا تھا۔ تیر اس کے ہاتھ پہ لگا تو تلوار چھوٹ گئی۔ وہ کراہ کے نیچے گرا۔ تالیہ نے جھٹ اپنا تیر کمان اس پہ تان لیا۔

''آپ اپنی حفاظت خود کرنا جانتی ہیں شہزادی' ہے نا۔'' طنز سے کہتا ایڈم قریب آیا۔ تالیہ نے بس تھوک نگلا۔ نظریں اس آدمی پہ جمائے رکھیں۔

اس کی تلوار دور جا گری تھی۔تلوار اٹھانے کی بجائے وہ لڑکھڑاتا ہوا اٹھا' اور پیچھے ہٹنے لگا۔ہاتھ سے بھل بھل خون بہہ رہا تھا۔

''رک جاؤ ورنہ اگلا تیر تمہارے سر کے آر پار ہوگا۔'' وہ تیر سے اس کا نشانہ لیے غرائی تو آدمی ٹھہر گیا۔تالیہ نے اس کے آس پاس نظر دوڑائی۔

''تمہارے ساتھی کہاں ہیں؟ بولو۔کہاں ہیں مراد راجہ کے دوسرے آدمی۔''

وہ خستہ حال حلیے والا جنگلی سا آدمی لگتا تھا۔جواب دینے کی بجائے دائیں طرف دیکھنے لگا۔ہونٹ سلے رہے۔

''میں کچھ پوچھ رہی ہوں۔''

مگر وہ مسلسل دائیں طرف دیکھ رہا تھا جیسے کسی کا منتظر ہو۔

''کہیں اس کے ساتھی حملہ ہی نہ کردیں۔ہمیں سپاہیوں کی ضرورت ہے۔''

ایڈم نے فکرمندی سے کہتے آتش بھرے تیر کو سلگایا اور زور سے اوپر فضا میں چھوڑا۔تیر اوپر جا کے پھٹ گیا۔ہر سو آتش بازی کی صورت روشنیاں بکھر گئیں اور پھر اندھیرا چھا گیا۔مگر ذرا سی روشنی میں تالیہ کو اس آدمی کے دائیں طرف کوئی حرکت دکھائی دی تھی۔

کوئی رینگتی ہوئی شے۔جو اس طرف بڑھ رہی تھی۔

تیر کمان تانے تالیہ کی نظریں اس طرف اٹھیں۔چاندنی میں اب واضح دکھائی دینے لگا تھا۔

زمین پہ کوئی چیز رینگ رہی تھی۔چھپکلی کی شکل کا مگرمچھ۔لیکن عام مگرمچھ سے دوگنا۔

''کموڈو ڈریگن ہے یہ تو۔'' تالیہ چونکی۔''تو راجہ نے اپنے خزانے کی حفاظت کے لئے کموڈو ڈریگن پال رکھا ہے اور اس کا خیال یہ شکار باز رکھتا ہے۔یعنی.....''

''یعنی اس آدمی کا کوئی ساتھی ادھر تعینات نہیں ہے۔یہ ایک ڈریگن کافی ہے۔''

ڈریگن زمین پہ رینگتا آہستہ آہستہ اس آدمی کے سامنے آرکا۔اس کا بھاری پیٹ نیچے رگڑ تا ریت پہ نشان لگاتا جارہا تھا۔سامنے آکے اس نے منہ کھولا اور غرایا۔ایڈم اور تالیہ نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''اب کیا کریں؟'' وہ ذرا فکرمند ہوئی۔ڈریگن ایک ہی نوالے میں سالم بندہ نگلنے کی صلاحیت رکھتا تھا' اور یہ آج کے ملائیشاء کے ڈریگن سے دوگنا تھا' یہ تو ایک ہی سانس میں ان دونوں ہضم کرجاتا۔

''ایسا کرو تم اس آدمی پہ تیر چلاؤ' اور میں ڈریگن کا نشانہ باندھتی ہوں۔ان دونوں کو مار کے ہی ہم اس پہاڑی تک جاسکتے ہیں۔یہ اگر اس پہاڑی کی حفاظت کررہے ہیں تو خزانہ ادھر ہی ہے۔''

''مگر ہم کموڈو ڈریگن کو نہیں مارتے۔'' ایڈم ایک دم بولا۔

''اف ایڈم.....''اس نے دانت پیسے۔''یہ ہمیں کھا جائے گا۔''

مگر ایڈم نے کمان نیچے کر دی۔''ہم سانپ کو بھی نہیں مارتے۔ان کو ان کے علاقوں میں چھوڑ دیتے ہیں۔میں نے وائلڈ لائف پارک میں ایک بچی کی جان بچائی تھی کموڈو ڈریگن سے....لیکن میں نے اس کو نہیں مارا تھا۔نہیں چے تالیہ....ہم جانوروں کو مارنے والے لوگ نہیں ہیں۔'' اس کے اندر کا اورنگ اصلی جاگ گیا تھا۔تالیہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔

''تو تم کموڈو ڈریگن سے پہلے مقابلہ کر چکے ہو؟''اس نے اپنا تیر کمان نیچے کر لیا۔

''میں ایک بچی کی جان اس سے بچا چکا ہوں لیکن سرکاری اعزاز دیتے وقت مجھے بھلا دیا گیا تھا۔''

''مگر تم تو اس واقع کو نہیں بھولے نا۔ ہوسکتا ہے اُس دنیا کے واقعات اِس دنیا کی تیاری کے لیے ہوں۔ جاؤ اور ہمیں اس ڈریگن سے نجات دلا کے دو۔'' شہزادی نے کمان بلند کر کے اس طرف اشارہ کیا جہاں ڈریگن تھا۔

شہزادی کے حکم پہ ایڈم نے بے اختیار تھوک نگلا۔ چند فٹ کے فاصلے پہ ڈریگن کھڑا غرا رہا تھا اور شکار باز اس کی اوٹ میں کھڑا اپنے زخم کو دوسرے ہاتھ سے دبائے ہوئے تھا۔خون دھاروں کی صورت بہہ رہا تھا مگر اس کی بے تاثر آنکھیں ایڈم پہ جمی تھیں۔عجیب پتھریلا چہرہ تھا اس کا۔

''کیا نام ہے تمہارا؟''ایڈم بھاری آواز میں استفسار کرتے ہوئے آگے بڑھا۔

پیچھے دوڑتے قدموں کی آواز آرہی تھی۔ ایک ایک کر کے سپاہی وہاں اکٹھے ہو رہے تھے۔تالیہ نے ان کو خاموشی سے اپنے عقب میں کھڑے ہونے کا اشارہ کیا۔انہوں نے اپنے کمان تانے وہیں جگہ سنبھال لی۔

''احمد....کمال....علی....ایسا ہی کوئی نام ہوگا تمہارا۔''ایڈم تبصرہ کرنے والے انداز میں ڈریگن کی سیدھ میں کئی فٹ کے فاصلے پہ ٹھہر گیا۔سنجیدہ نظریں اس شکار باز پہ جمی تھیں۔

''مفید۔''وہ ہلکا سا بولا۔''مفید نام ہے میرا اور تم نے اگر آگے بڑھنے کی کوشش کی تو میرا دوست تمہیں نگل جائے گا۔''

''یعنی تم نے اس کی اچھی تربیت کی ہے'مفید۔''وہ اونچی آواز میں بولا۔''یہ جانور تمہارا پالتو ہے۔تمہارے اشارے کی تعمیل کرنا جانتا ہے۔''

''یہ سب کچھ کرنا جانتا ہے۔''

''سب کچھ کرنا تو تم بھی جانتے ہو'لیکن کیا یہ معلوم ہے کہ تم یہ سب کیوں کر رہے ہو؟''

چاندنی میں ڈوبا خاموش جزیرہ....اور اس پہ ایڈم کی آواز....سب خاموشی سے اسے سن رہے تھے۔تالیہ البتہ بے چینی سے بار بار ڈریگن کو دیکھتی تھی۔کمان تانے وہ ڈوری کو پیچھے کھینچے ہوئے تھی۔ادھر انگلی چھوڑی'ادھر تیر ڈریگن کی آنکھ میں جا لگے۔

''ہر انسان کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جو وہ کر رہا ہے' وہ اسے ''کیوں'' کر رہا ہے! تم بتاؤ۔تم اس بیاباں جزیرے پہ ایک جانور کے ساتھ راجہ کے خزانے کی حفاظت کیوں کر رہے ہو۔''

''تم کچھ نہیں جانتے۔'' زخمی شکار باز غصے سے بولا۔''یہ چند مشکل دن ہم نے گزارنے ہیں' پھر ہمارے پاس اتنا خزانہ اکٹھا ہو جائے گا کہ ہم ساری دنیا پہ حکومت کریں گے۔'' اس کے لمبے بال کندھوں پہ گر رہے تھے۔ میلا کچیلا چہرہ' الجھی داڑھی...لہو ٹپکاتی آنکھیں...وہ ذہنی طور پہ تندرست نہیں لگتا تھا۔

''تو یہ وعدہ کیا ہے راجہ نے تم سے؟''

''مراد راجہ ہمارا سردار ہے اور یہ خزانہ....یہ صرف ہمارا ہے۔''

''میرے پیارے دوست!'' دونوں پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے کھڑے ایڈم نے افسوس سے گہری سانس لی۔''تم غالباً مراد راجہ کے تخت سنبھالنے کے دن سے یہیں ہو۔تم نہیں جانتے کہ ملاکہ میں کیا ہو رہا ہے۔ بے وقوف انسان مراد راجہ اس وقت ملاکہ کا بے تاج سلطان 'بن' چکا ہے۔''

''نہیں۔ابھی سلطان مرسل زندہ ہے۔'' شکار باز فوراً سے غرایا۔''جب وہ مرے گا تو ہم حکومت کریں گے۔''

''تم کتنے بے وقوف ہو' مفید۔تم یہاں مراد راجہ کے خزانے کی حفاظت کر رہے ہو اس آس میں کہ مراد سلطان کو قتل کر کے تخت سنبھال لے گا؟ نادان انسان....وہ سلطان کو کبھی قتل نہیں کرے گا۔ پوچھو کیوں۔''

''وہ سلطان کو قتل کر دے گا!'' وہ ہٹ دھرمی سے چلایا۔خون بہاتے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔

''نہیں کرے گا۔کیونکہ وہ اپنی بیٹی شہزادی تاشہ کی شادی مرسل شاہ سے کر رہا ہے۔کیا اپنے داماد کو قتل کرے گا وہ؟''

''تم جھوٹ بول رہے ہو کیونکہ مراد راجہ کی کوئی بیٹی تاشہ نہیں ہے۔''

''میں ہوں۔مراد راجہ کی بڑی بیٹی! اور اللہ شاہد ہے کہ میں سچ کہہ رہی ہوں۔'' تیر سے اس کا نشانہ باندھے وہ بلند آواز میں بولی تو مفید بے اختیار اس کو دیکھنے لگا۔''شاید تمہیں میرے باپا نے اپنے بارے میں ہر بات نہیں بتائی۔ میں شہزادی تاشہ بنتِ مراد ہوں اور مجھے میرے باپا نے یہ خزانہ لینے اور تمہیں مارنے بھیجا ہے....لیکن میرا یہ جرنیل چاہتا ہے کہ تمہاری جان بخش دی جائے۔''

ایڈم نے گردن موڑ کے اسے گھورا۔(اپنی کہانیاں گھڑنے والی عادتوں سے آپ باز نہ آیئے گا۔)

''اب بتاؤ' مرنا چاہتے ہو یا قید ہونا چاہتے ہو۔''

''نہیں۔''اس نے نفی میں سر ہلایا۔''تم لوگ جھوٹ بول رہے ہو؟''

''مجھے بات کرنے دیں۔'' ایڈم ہلکے سے بولا پھر مفید کی طرف چہرہ موڑا''مفید' تم راجہ مراد کے وفادار ہو' مگر اپنے دل سے

پوچھو۔راجہ تمہیں بھول چکا ہے۔وہ وہاں عیش سے حکمرانی کر رہا ہے اور تم ادھر تنہا ہو۔تمہارا دل اب راجہ سے محبت نہیں کرتا۔“

مفید لب بھینچے اسے دیکھے گیا۔

”جانتے ہو تمہارا دل کس سے محبت کرتا ہے؟“ انگلی اٹھا کے اشارہ کیا۔”اس جاندار سے جس کے ساتھ تمہیں جنگل میں چھوڑ دیا گیا ہے۔جب ایسے کوئی کسی کو کسی کے ساتھ جنگل میں چھوڑ دے تو پیچھے ساری دنیا اجنبی ہو جاتی ہے۔صرف وہ اندھیروں کا دوست رہ جاتا ہے۔یہ تمہارا دوست‘ تمہارا ساتھی ہے۔تمہیں اسی سے محبت ہے۔اور جن سے محبت کی جاتی ہے‘ ان کو اپنی خواہشات کی رسی سے قید نہیں کیا جاتا۔انہیں آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے۔انہیں اپنی زندگی کھل کے جینے دی جاتی ہے اور دنیا کے جنگلوں میں اپنی مرضی سے بھٹکنے دیا جاتا ہے۔اگر وہ لوٹ کے آجائیں تو ہم محبت میں سچے تھے۔اگر نہ آئیں تو ہم صرف بدقسمت تھے۔اب وقت آگیا ہے کہ تم اس معصوم جانور کو آزاد کر دو۔“

مگر مفید نفی میں سر ہلاتا ان سب کے چہرے دیکھ رہا تھا۔پھر اس نے جیسے تھک کے خون بہاتا ہاتھ پہلو میں گرا دیا۔”تم لوگ جھوٹ بول رہے ہو۔“

”مراد راجہ وہاں عیش کر رہا ہے اور تم یہاں پاگل ہو رہے ہو۔کب تک اس جانور کو اپنے ساتھ قید میں رکھو گے؟ کم از کم اس کو آزاد کر دو۔اس کو کہو کہ واپس جنگل میں چلا جائے اور تم ہمارے ساتھ ملاکہ چلو۔پھر اپنی آنکھوں سے دیکھو کہ مراد راجہ نے تمہیں کس کس طرح دھوکہ دیا ہے....اور اگر تم نے یہ نہ کیا تو ہم سب تیر مار مار کے اس ڈریگن کی آنکھیں اور شریان پھوڑ دیں گے۔“

مفید نے ایک نظر اس ڈریگن کو دیکھا جو پنجوں کے بل کھڑا ان لوگوں پہ مسلسل غرا رہا تھا۔پھر اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔اس نے سیٹی سی بجائی۔انجان زبان میں چند آوازیں نکالیں۔ڈریگن نے اس کی طرف گردن موڑی۔مفید نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

سپاہیوں کے تیر کمان ابھی تک ہاتھوں میں تھے۔خود تالیہ کا دل زور سے دھک دھک کر رہا تھا۔تیر تیار تھا۔ادھر ڈریگن حملہ کرتا‘ ادھر وہ اس کے اندر تیر اتار دیتی۔

مگر ڈریگن نے چند لمحے کے لئے مفید کی بات سنی‘ پھر واپس مڑا اور درختوں کی طرف جانے لگا۔ایڈم نے گہرا سانس لیا۔تالیہ کی بھی تیر کمان پہ گرفت ڈھیلی ہوئی۔

”تم نے اچھا فیصلہ کیا‘ مفید۔اب ہمیں راستہ دکھاؤ۔خزانہ کہاں ہے اور تم یقین رکھو واپس جا کے میں....“

”راجہ سے کہنا مجھے معاف کر دے‘ میں خزانے کی حفاظت نہیں کر سکا۔“ مفید نے آنسوؤں بھری آنکھوں سے کہتے اپنے ہاتھ میں لگا تیر ایک دم کھینچ نکالا اور پھر....اگلے ہی لمحے....اسے اپنے سینے میں پیوست کر دیا۔زور سے اس کی چیخ نکلی‘ اور وہ زمین پہ گر کے تڑپنے لگا۔

لمحے بھر کو وہ سب ششدر رہ گئے۔پھر ایڈم بے اختیار اس کی طرف بھاگا۔

اور صرف ایڈم نہیں تھا جو اس کی طرف بھاگا تھا۔جنگل کی طرف جاتا کموڈو ڈریگن بھی اپنے مالک کی چیخ سن کے تیزی سے واپس

لپکا تھا۔

اگلے ہی لمحے سپاہیوں کے تیر فضا میں بلند ہوئے اور ڈریگن کے جسم میں پیوست ہو گئے۔ تالیہ کا تیر اس کی آنکھ میں لگا۔ ڈریگن گھائل ہو کے زمین پہ لوٹنے لگا۔ اس کے حلق سے چیخیں نکلی تھیں۔

''اسے مت مارو....'' ایڈم منت بھرے انداز میں چلایا۔ ''خدارا اسے مت مارو۔''

تالیہ نے چغے کی ڈوری گردن تلے سے کھینچی۔ چغہ کندھوں سے ڈھلک کے زمین پہ جا گرا۔ پھر اس نے تیر کمان پرے پھینکا اور تلوار میان سے نکالی۔

جانور الٹا زمین پہ گرا تڑپ رہا تھا۔ تیر زہر میں بجھے تھے اور اثر دکھا رہے تھے۔ تالیہ تلوار لیے تیزی سے اس کے سر پہ آئی۔

''چے تالیہ....اس کو مت ماریں....یہ ایک معصوم جانور ہے.....'' ایڈم چلاتا ہوا اس کی طرف بڑھا' مگر تالیہ نے زور سے تلوار اس کی گردن پہ دے ماری۔

ڈریگن کے سر کے حصے میں بڑا سا کٹ پڑ گیا۔ اس کی تڑپ دم توڑ گئی۔ آنکھوں سے زندگی کی روشنی نکل گئی۔

ایڈم ساکت کھڑا رہ گیا۔

تالیہ اسی طرح آگے بڑھی اور زمین پہ گرے مفید کو گردن سے دبوچ کے اٹھایا۔ پھر اس کے سینے سے زور سے تیر باہر کھینچ نکالا۔ خون بھل بھل گرنے لگا۔

''جنگل میں رہتے ہوئے اتنے سے زخم سے مر نہیں جاؤ گے۔'' اس کا چہرہ اپنے سامنے کیے وہ غرائی۔ وہ مسلسل کراہ رہا تھا۔ ''ناٹک بند کرو۔ راجہ کے چوری کے مال کی حفاظت نے تمہیں یہ دن دکھایا ہے۔ اب سیدھی طرح مجھے خزانے کا راستہ دکھاؤ تاکہ تمہاری جان بخش دوں۔ ورنہ خدا کی قسم' تمہارے جسم میں اتنے گھاؤ لگاؤں گی کہ گھنٹوں تکلیف سے تڑپتے رہو گے۔'' اس کی گردن کو جھٹکا دیا تو تکلیف سے بے حال شکار باز فوراً ایک طرف اشارہ کرنے لگا۔

''ادھر....غار میں....ہے خزانہ۔'' سپاہی فوراً مشعلیں اٹھائے اس طرف لپکے۔

تالیہ اس کی گردن دبوچے آگے بڑھنے لگی' پھر رک کے مڑی اور ایڈم کو سنجیدگی سے دیکھا۔

''سارے بھاؤ تاؤ جنگ سے پہلے کے ہوتے ہیں۔ لیکن جب ایک دفعہ لڑائی شروع ہو جائے تو دشمن پہ ترس کھانا کمزوری ہوتی ہے' ایڈم' اور یہ اصول سارے زمانوں کے لئے ہے۔'' اور اسے لئے آگے بڑھ گئی۔ ایڈم بس شل سا کھڑا رہ گیا تھا۔

سپاہی اب غار کی طرف بڑھ رہے تھے' اور سر کٹا کموڈو ڈریگن خون کے تالاب میں بے حس و حرکت پڑا تھا۔

☆......☆......☆

سلطنت محل کی مخروطی چھتوں پہ اس رات بارش برس رہی تھی۔ اپنی خواب گاہ سے ملحقہ بالکونی میں سلطان مرسل شاہ کھڑا تھا۔ کمر پہ ہاتھ باندھے' شاہی قبا میں ملبوس' وہ نیچے دور تک پھیلے اندھیر سبزہ زار کو دیکھ رہا تھا۔ پانی چھت کے کناروں سے پھسلتا بالکونی کے ستونوں پہ لڑھک رہا تھا۔ موسم خاصا خوشگوار تھا۔

''آقا!''

ملکہ کی آمد کی منادی کے چند ثانیے بعد یان سوفو اس کے عقب میں آکھڑی ہوئی تو مرسل چونکا۔ پھر اس کی طرف گھوما۔

''ملکہ۔ طبیعت کیسی ہے آپ کی؟ مجھے خبر ملی تھی کہ آج قدرے بیمار تھیں آپ۔''

''میرے بابا کی جان آپ نے بچالی' ان کی نظرِ بد کا علاج ہوگیا' اس سے زیادہ اور کیا چاہیے مجھے آقا؟'' اس نے مسکرا کے تعظیم پیش کی۔ پھر سیدھی ہوئی اور انہی مسکراتی آنکھوں سے سلطان کو دیکھا۔ ''آپ کو مجھ سے بات کرنی تھی؟''

وہ دونوں بالکونی میں آمنے سامنے کھڑے تھے' اردگرد بارش برس رہی تھی مگر وہ محفوظ تھے۔

''جی ہاں۔''

''حکم کیجئے' آقا!'' وہ اس کی آنکھوں پہ مسکراتی نظریں جمائے ہوئے تھی۔

''اب تک آپ کو اطلاع تو مل گئی ہوگی کہ میں شادی کرنے جارہا ہوں۔ تیاری شروع ہوچکی ہے اور انتظامات کیے جارہے ہیں۔''

یان سوفو کے چہرے پہ ایک دم ڈھیروں اداسی بکھر گئی۔ اس نے سر جھکا دیا۔ ''جی آقا۔ سنا تو تھا میں نے مگر یقین نہیں آیا تھا۔''

''آپ خفا ہوں گی' یقیناً۔'' مرسل شاہ احتیاط مگر پرسکون سا پوچھ رہا تھا۔

''یہ تو شہزادیوں کی قسمت ہوتی ہے آقا۔'' ملکہ نے تھکی تھکی سی پلکیں اٹھائیں۔ ''میرے بابا کے حرم میں تین بیویاں اور کئی خواتین تھیں۔ میں نے اپنی والدہ کی تکلیف دیکھی ہے۔ یہ نہیں کہوں گی کہ مجھے فرق نہیں پڑتا۔ فرق تو پڑتا ہے۔ دل دکھتا ہے' لیکن....'' وہ زخمی سا مسکرائی۔

''اگر آقا کی خوشی اسی میں ہے تو میں اعتراض نہیں کروں گی۔ میں اس تقریب میں شامل بھی ہوں گی اور کھلے دل سے آپ کی نئی منکوحہ کو خوش آمدید کہوں گی۔''

مرسل شاہ کا چہرہ کھل اٹھا۔ وہ پورے دل سے مسکرایا۔ ''مجھے آپ سے یہی امید تھی ملکہ۔ جو ہونا ہے وہ ہونا ہے۔ لیکن میں آپ کو اتنا یقین دلاسکتا ہوں کہ آپ ملاکہ سلطنت کی ملکہ ہیں' اور رہیں گی۔''

''سارے سلاطین دوسری شادی سے پہلے یہی کہتے ہیں' آقا۔'' وہ بجھے دل سے مسکرائی۔ پھر سر جھٹکا۔ ''خیر...کیا کسی خاتون کا انتخاب کیا ہے آپ نے یا یہ کام بھی مجھے کرنا ہوگا؟'' (شاہی دستور کے مطابق بعض دفعہ ملکہ خود سلطان کی نئی منکوحہ یا خاتون چنتی تھی۔)

''کیا آپ کو نہیں معلوم۔'' سلطان حیران ہوا۔ ''میں نے شہزادی تاشہ کا انتخاب کیا ہے۔ مگر آپ کو کیسے معلوم ہوگا۔ یہ نام

میرے اور مراد راجہ کے درمیان ہی تھا اب تک۔"

"شہزادی تاشہ؟" ملکہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

بالکونی کے باہر زور کی بجلی کڑکی۔ پل بھر کو سارا محل روشن ہو گیا۔ جگہ جگہ زمین پہ پانی کھڑا نظر آتا تھا۔ اگلے ہی پل اندھیرا چھا گیا۔

"جی۔ مراد راجہ کی دختر۔"

"مگر...." ملکہ بے اختیار الجھن سے بولی۔ "شاہی دستور کے مطابق ....آپ کے نکاح میں آنے والی خاتون کا چند شرائط پہ اترنا ضروری ہے' آقا۔"

"تو شہزادی تاشہ کسی لحاظ سے کم نہیں ہیں۔ وہ ہمارے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں' ان کی رگوں میں ہمارا ہی خون ہے۔ پھر وہ خوبصورت ہیں اور شاہی آداب جانتی ہیں۔" مرسل شاہ نے سینہ کڑاتے ہوئے فخر سے کہا تھا۔

ملکہ چند لمحے سادگی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"تو پھر....طلاق دلوائیں گے اسے یا اس کے شوہر کی گردن ماری جائے گی؟"

بادلوں کے گرجنے کی زوردار آواز سنائی دی۔ ایسی دہشت' ایسی گرج کہ محل کے ہر ذی نفس کی روح تک کانپ گئی۔

مرسل شاہ بھونچکا کھڑا رہ گیا۔

"کیا کہہ رہی ہیں آپ ملکہ؟" اس کی رنگت سرخ پڑنے لگی۔ "دماغ درست ہے آپ کا؟"

"میرا دماغ تو درست ہے آقا لیکن آپ کی معلومات درست نہیں۔ شہزادی تاشہ نے خود مجھے راز میں لیتے ہوئے بتایا تھا کہ چین سے جو آدمی اس کے ساتھ آیا ہے' وہ اس سے شادی کر چکی ہے۔ کیا آپ کو مراد راجہ نے نہیں بتایا؟ حیرت ہے۔ وہ اپنی شادی شدہ بیٹی کو کنواری لڑکی کے طور پہ کیسے پیش کر سکتا ہے۔ چچ چچ۔ یہ تو سنگین جرم ہے۔ گناہِ کبیرہ ہے۔" وہ خود حیران تھی۔

"آپ کو...." مرسل کی آواز بلند اور آنکھیں سرخ ہوئیں۔ "غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ شہزادی تاشہ غیر شادی شدہ ہیں۔" اس کا تنفس تیز ہو گیا تھا۔

"آپ خود شہزادی سے اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب پہ ہاتھ رکھوا کے پوچھ لیں۔ اگر اس نے اس شادی سے انکار کیا تو میری گردن مار دیجیے' مگر آقا....وہ لڑکی شادی شدہ ہے۔ اور اس کے شوہر کو مراد راجہ نے اپنے محل میں پناہ دے رکھی ہے۔ آپ کو جس سے شادی کرنی ہے' کیجیے آقا' لیکن بزرگوں کے رسم و رواج کو ٹھوکر مار کے نہیں۔ یہ آپ کی خاندانی غیرت اور حمیت کا سوال ہے۔" وہ اس کی آنکھوں سے نظریں ہٹائے بغیر کہہ رہی تھی۔ مرسل کے چہرے پہ ایک رنگ آ رہا تھا' ایک جا رہا تھا۔

"یہ جھوٹ ہے۔ میں نہیں مانتا۔" وہ ایک دم ملکہ کے ساتھ سے گزرتا آگے بڑھ گیا۔ ملکہ یان سوفو نے آرام سے اسے جاتے

ہوئے دیکھا اور زیرِلب بڑبڑائی۔ چچ چچ۔ پھر افسوس سے سر جھٹکا۔

بالکونی کی مخروطی چھت کے کنارے ٹپکے جا رہے تھے۔ بارش میں تیزی آ گئی تھی۔

☆......☆......☆

جس غار کی حفاظت کموڈو ڈریگن کر رہا تھا' اس کا راستہ تنگ اور تاریک تھا' لیکن زخمی مفید کراہتا ہوا' تالیہ کی راہنمائی کرتا انہیں اندر لے آیا۔

غار کے اندر پتھروں کا ڈھیر لگا تھا۔ سپاہیوں نے فوراً سے پتھر ہٹائے تو وہاں زمین میں ایک ڈھکن بنا تھا۔ ایک سپاہی نے ڈھکن اٹھایا' دوسرے نے اندر روشنی کی۔ وہاں سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں۔ محض پندرہ بیس سیڑھیاں جن کو اتر کے ایک بڑا سا کمرہ آجاتا تھا۔

اس نے مفید کی گردن چھوڑ دی۔ دو سپاہی اس کی پٹی وغیرہ کرنے اسے باہر لے گئے۔ دیگر سپاہی نیچے اترے اور کمرے کی دیواروں پہ لگی مشعلیں روشن کیں۔ پل بھر میں وہ کمرہ خوب روشن ہو گیا۔

تالیہ مراد کے کندھے پہ تیروں سے بھرا ترکش تھا اور ہاتھ میں پکڑی تلوار سے ڈریگن کا خون ٹپک رہا تھا۔ وہ مٹی کی سیڑھیاں قدم قدم نیچے اترنے لگی۔ لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ اداسی سے بھری مسکراہٹ۔

ایک زینہ....دوسرا زینہ....جیسے جیسے وہ اترتی گئی' کمرہ سامنے آنے لگا۔ اس میں قطار در قطار لکڑی کے صندوق رکھے تھے۔

سپاہیوں نے فوراً صندوقوں کے منہ کھول دیے تھے۔ اندر سونے کے موٹے موٹے سکے چمکتے دکھائی دے رہے تھے۔

اس نے ایک عرصہ یہ منظر دیکھنے کی خواہش کی تھی۔

کوئی رازوں سے بھرا کمرہ جس کا دروازہ وہ کھولے گی تو اندر سونے کے ڈھیر لگے ہوں گے۔

آج وہ پندرہویں صدی کے قدیم ملاکہ کے اس جزیرے کے زینے اتر رہی تھی اور سامنے موجود کمرہ ڈھیروں خزانے سے بھرا پڑا دکھائی دیتا تھا۔

بالآخر اسے خزانہ مل گیا تھا۔

ایڈم اس کے عقب میں زینے اتر رہا تھا۔ وہ خاموش تھا مگر سنبھل چکا تھا۔

تالیہ پہلے صندوق تک آئی اور اندر ہاتھ ڈالا۔ سکوں کی کھنک....سونے کی چمک....اس کے جذبات مچلنے لگے۔

وہ دوسرے صندوق تک آئی....ہاتھ اس کے سکوں کے اوپر سے گزارا۔ سونے کا لمس....وہ ٹھنڈک...وہ چمک جو آنکھوں کو خیرہ کر دیتی تھی۔

''تم لوگ اوپر جاؤ۔'' ایڈم نے سپاہیوں کو اشارہ کیا تو وہ سرِتسلیم خم کرتے اوپر کی طرف چلے گئے۔

دیواروں پہ لگی مشعلوں کے شعلے جل رہے تھے اور زرد روشنی میں وہ دونوں اس دولت سے بھرے کمرے میں تنہا کھڑے نظر آ رہے تھے۔

''یا اللہ....اتنا سونا....اتنی دولت۔'' وہ ایک صندوق پہ جھکی اور جس میں طرح طرح کے زیورات کا ڈھیر لگا تھا۔ اس نے ہاتھ سے چند زیورا ٹھائے اوران کو واپس اندر گرا دیا جیسے اس سے کھیل رہی ہو۔

''یہ آپ کے نہیں ہیں' چے تالیہ۔'' ایڈم کھنکھارتا ہوا آگے آیا اور صندوق کا ڈھکن بند کیا۔ وہ سنے بغیر اگلے صندوق تک آئی اور اس میں رکھی سونے کی ننھی اینٹ اٹھائی۔

''خالص سونا۔ اس کی چمک دیکھو۔ اس کو محسوس تو کرو ایڈم۔'' اس کے چہرے پہ بچوں جیسی خوشی تھی۔

''یہ ملاکہ کے غریب لوگوں کی امانت ہے' چے تالیہ۔'' ایڈم نے جلدی سے اینٹ اٹھا کے واپس اندر ڈالی اور دھڑام سے اس صندوق کا بھی ڈھکن گرایا۔ وہ بدقت ضبط کر رہا تھا۔

مگر وہ مست مگن سی ایک کے بعد ایک صندوق کی طرف جا رہی تھی۔ سونے میں ہاتھ ڈالتی اور کچھ نہ کچھ نکال لیتی۔ ایڈم بار بار اس کے پیچھے لپکتا اور ہر چیز اس سے واپس لے کر اندر ڈالتا۔

''یہ امانت ہے' چے تالیہ۔ ہم اس کو نہیں چھو سکتے۔''

''سوچو....اگر یہ ہمارا ہو جائے تو....''

''چے تالیہ۔'' وہ ناراض ہوا تو اس نے گہری سانس لی اور نروٹھے پن سے اسے دیکھا۔

''جانتی ہوں جانتی ہوں۔ مگر تھوڑی دیر کے لئے خوش تو ہو لینے دو۔''

''آپ نے خوشی خوشی میں اس خزانے میں نقب لگانا شروع کر دینا ہے۔''

''بے فکر رہو۔ اب میں اپنی اصلاح کر چکی ہوں۔ اب میں چوری نہیں کرتی۔'' وہ مڑ کے جانے لگی۔

''جی اسی لئے آپ نے ہر صندوق سے چند اشرفیاں اور اس والے سے تھوڑا سا زیور کھسکا کے اپنی جیب میں ڈالا ہے۔'' وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور کڑے تیوروں سے اسے دیکھتے ہتھیلی پھیلائی۔ تالیہ نے خفگی سے پلکیں اٹھائیں اور اسے دیکھا۔

''اتنے ےےے سارے خزانے میں سے دو تین چیزیں نکال لینے سے کس کا نقصان ہوگا؟''

''ہمارے ایمان کا نقصان ہوگا۔ اور وہ سب سے بڑا نقصان ہوتا ہے۔ اب واپس کریں سب۔''

تالیہ نے (ہونہہ) کر کے سر جھٹکا اور جیبیں الٹ دیں۔ زیور' انگوٹھی' سکے نکال کے اس کی ہتھیلی پہ رکھے۔

''اور وہ جو آپ نے کان کے پیچھے بال اڑستے ہوئے سکہ اپنے جوڑے میں چھپایا تھا' وہ بھی دیں۔''

تالیہ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے بالوں میں ہاتھ ڈالا اور سکہ اس کی ہتھیلی پہ پٹخا۔ ایڈم کے لبوں پہ فاتحانہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''میدانِ جنگ میں نہ دشمن پہ ترس کھاتے ہیں نہ دوست کی طرف سے آنکھیں بند کرتے ہیں۔'' سمجھداری سے اسے بتایا۔

تالیہ اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ گئی۔

کمرے کے کونے میں ایک ڈیوڑھی سی بنی تھی جس میں مختلف خانے تھے۔ ان میں عجیب وغریب چیزیں رکھی تھیں۔ کڑے' انگوٹھیاں۔ تالے۔ ایک سونے کی گڑیا۔ اور سب سے اوپر ایک بوتل تھی۔ وہ اس بوتل کو پہچانتی تھی۔

اس نے بوتل اٹھائی اور اسے اوپر کر کے غور سے دیکھا۔

کانچ کی بنی بوتل خالی تھی۔ صرف پیندے میں چند قطرے جتنا باقی ماندہ مائع موجود تھا۔

''ایسی ہی بوتل میں ایک مشروب کے اندر چابی رکھی ہوتی تھی۔'' وہ بڑبڑائی۔

''مگر اب یہ خالی ہے۔''

''خالی ہے نہیں۔ اس کو خالی کیا گیا ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہتے بوتل واپس رکھی۔ ''بابا کے ملازم یقیناً چابی کو کہیں اور لے گئے ہیں۔ شاید واپس بابا کے پاس!'' وہ اس کی طرف گھومی تو قدرے فکرمند لگتی تھی۔

''اب ہم چابی کیسے ڈھونڈیں گے؟''

تالیہ نے ایک نظر اطراف میں دوڑائی۔ ''ابھی چابی کی فکر نہیں کرنی۔ وان فاتح کا کہنا تھا کہ ہمیں پلان کے مطابق چلنا ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ ہم پلان کے مطابق چلیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' ایڈم نے گہری سانس لی اور ایک عزم سے بولا۔ ''میں ان صندوقوں کو باہر نکلواتا ہوں۔ پھر میں واپس چلا جاؤں گا اور....''

''نہیں ایڈم!'' وہ بولی تو آنکھیں ایڈم کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔ ''یہ خزانہ تم نے ڈھونڈا ہے۔ یہ جزیرہ تم نے ڈھونڈا ہے۔ تمہارے الفاظ نے ڈریگن کے مالک کو مجبور کیا کہ وہ پسپائی اختیار کرے۔ اس خزانے کا راز تمہارا ہے۔ اس راز کو افشاء کرنا بھی تمہارا حق ہے۔''

''مگر....'' ایڈم لمحے بھر کو گنگ ہو گیا۔ ''پلان کے مطابق میں نے واپس جانا تھا اور آپ نے بعد میں یہ خزانہ لے کر واپس ملاکہ آنا تھا۔ آپ شہزادی ہیں اور میں تو بس.... (نگاہیں جھک گئیں)... ایک ادنیٰ غلام ہوں۔''

''اور ساتھ میں ایک بھگوڑے فوجی بھی ہو۔ مگر خیر....'' شہزادی نے بڑی نخوت سے گال پہ آئی لٹ پیچھے کی۔ ''تم بھی کیا یاد کرو گے! کیا اعزاز بخشنے جا رہی ہوں تمہیں!''

''کیا واقعی؟'' اس نے حیران سی نظریں اٹھائیں۔ ''آپ مجھے اس خزانے کا امین بنا رہی ہیں؟''

''میں جانتی ہوں پلان کے مطابق مجھے یہیں رہ کے اگلے مرحلے کا انتظار کرنا تھا مگر میں نے واپس جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ مجھے ملکہ کی طرف سے خطرہ ہے۔ وہ فاتح کو مشکل میں نہ ڈال دیں۔''

''مگر وان فاتح کو تو کبھی کسی کی ضرورت نہیں رہی۔''

''یہ ان کا خیال ہے اور ضروری نہیں کہ ان کا ہر خیال درست ہو۔'' پھر تالیہ نے گردن گھمائی اور خزانے سے بھرے کمرے کو دیکھا۔

''تمہاری ماں نے کہا تھا کہ ایک دن آئے گا جب ایڈم بن محمد کو اللہ تعالیٰ زمین میں مدفن خزانوں کے راز سمجھا دے گا' اور اس دن ایڈم دنیا کے بڑے بڑے حکمرانوں اور بادشاہوں سے بھی زیادہ طاقتور ہوگا۔ اور میں نے کہا تھا۔ آمین۔ شاید یہ وہی دن ہے' ایڈم۔ تم اس خزانے کے مالک ہو۔ اب یہ تمہارا امتحان ہے کہ تم حق کے لئے کھڑے ہوتے ہو یا نہیں۔ رہی میں' تو میرا خزانہ سن باؤ کے گھر چھپا ہے اور میرا مراد مقصود صرف وہ چابی ہے۔ اس لئے مجھے جانا ہوگا۔''

تالیہ مراد کی آواز میں تحکم کی ہلکی سی رمق موجود تھی۔ ایڈم بن محمد نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

شہزادی حکم سنا کے اب سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ اس کے کندھے کی پشت پہ بندھے ترکش میں اب بھی کافی تیر باقی تھے۔ جیسے تالیہ کے منصوبوں کی طرح۔

وہ خزانے سے بھرے کمرے میں تنہا کھڑا سوچ رہا تھا۔

اگر یہ وہ دن ہے.... جب مجھے زمین کے خزانوں کا راز معلوم ہو جانا تھا... تو مجھے دنیا کے سارے بادشاہوں سے زیادہ طاقتور ہونا تھا۔ پھر اتنا طاقتور کیوں نہیں محسوس کر رہا میں خود کو؟

وہ سوچ رہا تھا۔ حیران۔ پریشان۔

سپاہی اب نیچے اتر رہے تھے۔ کچھ نے تالیہ کے ساتھ واپس جانا تھا۔ کچھ نے ایڈم کے ساتھ یہیں رہ کے اگلے مرحلے کا انتظار کرنا تھا۔

☆......☆......☆

مدھم موم بتیاں مراد راجہ کی خواب گاہ کو نیم روشن کیے ہوئے تھیں۔ وہ کمرے کے ایک کونے میں بیٹھا تھا۔ چوکڑی مار رکھی تھی۔ اور ارد گرد تیرہ موم بتیاں قطار میں جلا رکھی تھیں۔ سامنے ایک بھری ہوئی بوتل رکھی تھی جس کے پیندے میں سنہری سکہ اور زنجیر تیر رہی تھی۔ وہ آنکھیں بند کیے' دونوں ہاتھ بوتل سے چند انچ اوپر پھیلائے زیرِ لب کچھ پڑھ رہا تھا جب دروازے پہ دستک ہوئی۔

مراد نے توجہ نہ دی۔ وہ اسی طرح آنکھیں موندے منتر پڑھنے میں مصروف رہا۔

دفعتاً دوبارہ دستک ہوئی۔اس نے آنکھیں کھولیں۔وہ سرخ پڑ رہی تھیں۔

دستک تواتر سے ہونے لگی۔

مراد نے برہمی سے دروازے کو دیکھا۔پھر پھونک مار کے ساری موم بتیاں بجھا دیں۔کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔وہ اندھیرے میں اٹھا۔کھڑکی تک گیا۔پیالے سے پانی لے کر چہرے پہ ڈالا' پھر دیا سلائی سلگائی اور قندیل روشن کی۔

اندھیرا چھٹا اور اب کی دفعہ کمرہ عام روشنی سے روشن ہوا۔وہ موم بتیوں کی نحوست بھری روشنی عنقا ہو چکی تھی۔

اس کے گیلے چہرے کے تاثرات نارمل ہو چکے تھے اور آنکھوں کی سرخی کم تھی۔سادہ سفید کرتے پاجامے میں ملبوس مراد نے سرخ پٹی ماتھے پہ باندھی اور دروازے کی طرف بڑھا جو مسلسل بج رہا تھا۔

''کون سا عذاب آ گیا تھا جو مجھے اس وقت تنگ کیا ہے؟'' پٹ کھولتے ہی وہ دھاڑا تھا۔''کیا جانتے نہیں ہو یہ بنداہارا کی عبادت کا وقت ہوتا ہے۔''

''راجہ!'' سپاہی نے دونوں ہاتھ باندھے عرض کی۔''سلطان کا پیغام آیا ہے۔آپ کو فوری طور پہ بلا بھیجا ہے۔''

''اس وقت؟'' مراد کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''سلطان نے....کہا ہے کہ....'' سپاہی نے تھوک نگلا۔''اگر مراد اپنے پیروں پہ چل کے نہ آئے تو بیڑیوں میں لے آؤ۔''

ملاکہ سلطنت کے عظیم بنداہارا مراد راجہ کے ماتھے کی ساری شکنیں غائب ہو گئیں۔

''ہوا کیا ہے؟'' اسے پریشانی ہوئی۔

''معلوم نہیں' راجہ۔مگر آقا سخت برہم لگ رہے ہیں۔''

''چلو۔'' وہ فوراً مڑا' اپنی قبا اٹھا کے کندھوں پہ ڈالی' پیروں میں جوتی گھسیٹی' تلوار اٹھانے لگا' پھر واپس رکھ دی۔اس کے کسی انداز سے جارحیت کی بو نہیں آنی چاہی۔

باہر نکلنے سے قبل وہ بوتل کو خاص جگہ پہ چھپانا نہیں بھولا تھا۔

☆......☆......☆

تین چاند والے جزیرے کی وہ چھوٹی پہاڑی چاندنی میں دمک رہی تھی۔اس کی چوٹی پہ بڑا سا شیشہ تراش کے لگایا گیا تھا یا شاید وہ نمک تھا جو اتنا شفاف تھا کہ چاند کا عکس اس میں جھلملاتا تھا۔

دوسرا چاند سمندر پہ تیر رہا تھا اور تیسرا چاند آسمان پہ بادلوں کے اوپر ٹیک لگائے نیم دراز نیچے جزیرے کے ساحل کو دیکھ رہا تھا۔

دور افق پہ مدھم سی روشنی دکھائی دیتی تھی۔سیاہ آسمان جامنی ہو رہا تھا اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔صبح ہونے میں کم وقت رہ گیا تھا۔ایسے

میں ساحل پہ کھڑی کشتی کو سپاہی سفر کے لئے تیار کر رہے تھے۔ چند سپاہی پہاڑی کے دامن میں غار کی طرف آتے جاتے دکھائی دیتے تھے۔

تالیہ اور ایڈم کشتی کے ساتھ کھڑے تھے۔ آمنے سامنے۔ تالیہ نے اپنا چغہ پہن رکھا تھا' تیز ہوا سے اس کے بال بار بار چہرے پہ آتے جن کو وہ کانوں کے پیچھے اڑستی۔ ایڈم اداس مسکراہٹ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''احتیاط سے جایئے گا۔ سمندری سفر خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔''

''ہمیشہ مایوسی کی باتیں کرتے ہو ایڈم۔'' وہ بے فکری سے مسکرائی۔ ''ہم پلان پہ چل رہے ہیں تو ڈر کیسا؟ بس کل تک میں واپس ملاکہ پہنچ جاؤں گی۔ تم تب آنا جب دوسرا مرحلہ پورا ہو جائے۔'' اس نے ذو معنی انداز میں یاد دلایا۔

ایڈم نے سر اثبات میں ہلایا۔ پھر آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے غور سے اسے دیکھا۔

''کیا واقعی آپ یہاں سے کچھ چرا کے نہیں جا رہیں؟ آپ چوری سے جا سکتی ہیں۔ ہیرا پھیری سے نہیں۔''

''ارے وہ سب تو میں نے مذاق میں اٹھایا تھا۔'' وہ کھلکھلائی۔ ''ابھی اتنے ٹرکس نہیں سکھائے تمہیں کہ میرے ہاتھ کی صفائی پکڑ سکو۔''

''میری نظر بہت اچھی ہے چے تالیہ۔ یاد کریں۔ مسز عصرہ کی گیلری میں پہچان گیا تھا کہ آپ تنگو کامل کی ملازمہ ہیں۔''

اور وہ دونوں ہنس پڑے۔ پھر تالیہ نے گردن گھمائی۔ وہ دونوں ساحل پہ کھڑے تھے اور سامنے چاندنی سے چمکتے پانیوں والا سمندر بہہ رہا تھا۔ خاموش' ساکن سمندر۔ پندرہویں صدی کا جوان سمندر۔

''وقت کے اس پار کیا ہو رہا ہوگا' ایڈم؟'' نیلے پانیوں کو دیکھتے ہوئے اس کی آواز میں اداسی گھل آئی۔

''میں تو صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ پانی کے اس پار کیا ہو رہا ہوگا۔ اگر وان فاتح کا راز کھل گیا اور راجہ نے ان کو گرفتار کر لیا یا ان کی جان لینے کی کوشش کی تو کیا ہوگا۔''

''نہیں۔ بابا ان کو یوں ایک دم مار نہیں دیں گے۔''

''یہی تو میں سوچ رہا ہوں کہ اگر راجہ نے ان کو مارا نہیں بلکہ چناؤ کا اختیار دے دیا تو وہ کس کو چنیں گے۔''

تالیہ چونکی۔ سمندر کی لہریں پل بھر کو تھم گئیں۔ سارا جزیرہ دم سادھے سننے لگا۔

''کیا مطلب؟''

''یاد رکھیے گا۔ اگر ان کو چناؤ کا موقع ملا تو وہ آپ کو یا مجھے کبھی نہیں چنیں گے۔''

تالیہ کی رنگت گلابی پڑنے لگی۔ ماتھے پہ بل در آئے۔ ''تم میں اور مجھ میں فرق ہے ایڈم۔''

''صرف اتنا کہ آپ سے انہوں نے نکاح کیا ہے' مگر یاد رکھیے گا۔ وہ ہمیشہ ہمارے ہیرو رہیں گے اور ہم ان کے فینز۔ ادنیٰ کارکن۔ بس!''

''تمہیں کیوں لگتا ہے بابا ان کو چناؤ کا اختیار دیں گے اور کس قسم کے چناؤ کی بات کر رہے ہو تم؟'' وہ الجھی الجھی ہوئی تھی۔ اسے یہ باتیں ناگوار گزر رہی تھیں۔

''یہ مجھے نہیں معلوم۔ مگر اتنے مہینے ایک محل میں رہا ہوں میں چے تالیہ۔ اتنا تو بتا سکتا ہوں کہ یہ حکمران بڑے فیصلوں میں ہم ادنیٰ کارکنوں کو شریک نہیں کرتے۔ اس لئے.... اگر آپ کو چناؤ کا موقع ملے تو میرے جزیرے سے آنے کا انتظار مت کیجئے گا۔ خود اس دروازے کو پار کر لیجئے گا۔''

''نہیں ایڈم!'' وہ بولی تو آنکھوں میں قدرے غصہ تھا۔ ''ہم ایک ساتھ آئے تھے اور ایک ساتھ جائیں گے۔ اگر ہم میں سے کوئی مر گیا تو اس کی لاش ساتھ جائے گی۔ تم فی الحال اس خزانے کو سنبھالو۔ میں ملاکہ میں تمہاری منتظر رہوں گی۔''

اس کا انداز قطعی اور حتمی تھا۔ ایڈم نے پھر سے سر کو خم دیا۔

''الوداع شہزادی!''

تالیہ نے چغے کی ٹوپی سر پہ برابر کی اور کشتی کی طرف بڑھ گئی۔ اس پہ بیٹھتے ہی اس نے پیچھے مڑ کے دیکھا۔

ساحل کنارے چغہ پوش آدم بن محمد کھڑا اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔ چند سپاہی اس کے آس پاس کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ ملاح سپاہی نے بادبان کھول دیا اور کشتی کو پانی پہ دھکیل دیا۔ پھر چپو چلانے لگے۔

وہ عرشے پہ ایک لکڑی کی چوکی پہ بیٹھ گئی اور رخ پانی کی طرف موڑ دیا۔ کنکھیوں سے وہ ساحل کنارے کھڑے ایڈم کو دیکھ سکتی تھی۔

جب کشتی سمندر پہ دور نکل آئی اور آسمان پہ فجر طلوع ہونے لگی تو تالیہ نے چغے کے اندر ہاتھ ڈال کے نکالا تو اس میں ایک چمکتی ہوئی شے تھی۔

یہ وہ چیز تھی جو اس نے غار میں رکھی عجیب وغریب چیزوں میں سے اٹھائی تھی۔ یہ سونے کی ہیئر پن تھی جس کو جوڑے میں لگایا جاتا تھا۔ اس کے دہانے پہ ہرن کا چہرہ بنا تھا' آنکھوں میں ہیرے لگے تھے۔ اور پیچھے جا کے وہ لمبی نوکیلی ہو جاتی تھی۔ تالیہ نے اسے اٹھا کے روشنی میں دیکھا اور مسکرائی۔

''ایڈم بن محمد.... یہ ملاکہ کے لوگوں کی نہیں میرے بابا کی شے تھی۔ جانے یہ کس لئے استعمال ہوتی ہے مگر نئے دور میں جا کے یہ اچھی خاصی قیمت پہ بک جائے گی۔ اس میں قیمتی ہیرے اور خالص سونا استعمال کیا گیا ہے۔ اس کو میں اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔'' وہ خوش اور مطمئن نظر آ رہی تھی۔ اس کی کشتی سمندر پہ تیرتی جزیرے سے دور ہوتی جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

مراد راجہ جب سلطنت محل پہنچا تو صبح ہونے میں کافی وقت تھا۔ سپاہی اسے فوراً اندر لے گئے۔ مراد نے چہرہ بے تاثر رکھا مگر

حقیقتاً وہ پریشان تھا۔

اسے ایک ملاقاتی کمرے میں بٹھا کے سپاہی چلے گئے۔ وہ کافی دیر انتظار کرتا رہا۔ بے چینی سے ٹہلتا رہا۔ ایک دو بار دربانوں کو آواز دی تو انہوں نے بتایا کہ آقا غسل فرما رہے ہیں۔ مراد ضبط کے گھونٹ پی کے رہ گیا۔

اسے اتنا انتظار مرسل نے پہلی دفعہ کروایا تھا۔

صبح کی پہلی کرن باہر آسمان پہ دکھائی دی تو مرسل شاہ کمرے میں داخل ہوا۔ وہ کہیں سے بھی حالت نیند میں نہیں لگتا تھا نہ بال گیلے تھے۔ شاید وہ اتنی دیر کچھ سوچنے میں مصروف رہا تھا۔ پیشانی سلوٹ زدہ تھی۔ مراد نے غور سے اسے اندر آتے اور مسہری پہ براجمان ہوتے دیکھا۔ ایک ہاتھ گھٹنے پہ جمائے' وہ سیدھا بیٹھا قدرے خفگی سے مراد کو دیکھ کے بولا۔

''آ گئے تم؟'' ساتھ ہی اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

مراد آہستہ سے سامنے بیٹھا۔

''کافی دیر ہو چکی' آقا۔ خیریت تھی؟ کہیں بغاوت کا اندیشہ تو نہیں ہوا؟ یا دشمن کا حملہ؟'' وہ بظاہر فکرمندی سے بولا مگر آواز میں معمولی سا گلہ بھی تھا۔

''مراد راجہ!'' مرسل نے بھنویں اکٹھی کیے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ ''دشمن کے حملے سے زیادہ تکلیف دہ بات میرے لئے یہ ہو گی کہ میرا بندا ہارا مجھ سے جھوٹ بولے۔''

مراد کی گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔ تاثرات میں حیرانی گھل گئی۔

''میری جان لے لیجئے آقا' مگر مجھے بتائیے تو سہی کہ ہوا کیا ہے۔'' پھر اسے خیال گزرا۔ ''کیا چین سے قرضہ لینے کے فیصلے پہ میری رائے....''

''تم نے اپنی بیٹی کو کنواری کیوں کہا جب کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ شادی شدہ ہے۔'' وہ اکھڑے اکھڑے مگر مضطرب لہجے میں بولا تو مراد نے تعجب سے دونوں ابرو اچکائے۔

''میری بیٹی....شادی شدہ؟'' پھر وہ ہلکا سا ہنس دیا۔ ''ایسا مذاق کس نے کیا آپ سے آقا؟'' وہ حیران تھا مگر جیسے محظوظ بھی ہوا تھا۔

مرسل کے تاثرات قدرے بدلے۔ چہرے کے تناؤ میں کمی آئی۔ وہ ذرا آگے کو ہوا۔

''تو یہ بات غلط ہے کہ ملک چین میں تمہاری بیٹی کی پہلے شادی ہو چکی ہے اور اس بات کو چھپا کے مجھ سے جھوٹ بول رہے تھے۔'' وہ بے چین لگتا تھا۔

کھڑکی کے پار جامنی آسمان سفید پڑ رہا تھا۔ روشنی اندر آئی تو کمرہ منور ہونے لگا اور قندیلوں کی روشنی ماند پڑنے لگی۔

''میں سمجھ گیا آقا۔'' مراد نے گہری سانس لے کر سر ہلایا۔'' آپ کو ایسی بات کسی چین سے تعلق رکھنے والے نے کہی ہوگی۔ ظاہر ہے اس شادی پہ سب سے زیادہ تکلیف چینیوں کو ہی ہوگی۔ کیا آپ نے سمجھ لیا تھا کہ یہ شادی آپ آرام سے کرلیں گے اور گستاخی معاف' ملکہ کوئی ردِعمل نہیں دیں گی؟ آپ تو برے سے برے حالات کے لئے بھی تیار تھے آقا' پھر اب ان فضول باتوں پہ کیوں دھیان رے دہے ہیں۔'' کمرہ مزید منور ہوا تو مرسل کے چہرے پہ آئے شک کے بادل بھی چھٹنے لگے۔

''یعنی.... شہزادی تاشہ کی کوئی شادی نہیں ہوئی۔ اور وہ.... وہ میرے نکاح میں آسکتی ہیں۔''

مرسل کے چہرے پہ خوشی اور اندیشے ایک ساتھ موجود تھے۔ مراد رسان سے مسکرایا اور آگے کو جھکا۔

''آقا' یہ صرف ایک سازش ہے' مجھے آپ سے دور کرنے اور اس شادی کو رکوانے کے لئے۔ میری بیٹی غیر شادی شدہ ہے اور وہ آپ کی ہی ملکہ بنے گی۔ آپ اس کو بلوا کے بھی پوچھ سکتے ہیں۔ میں خود قرآن پہ ہاتھ رکھ کے حلف لینے کو تیار ہوں۔ آپ ان واہموں سے نکل آئیں۔''

''اوہ۔'' مرسل شاہ نے گہری سانس لی۔ کھڑکی سے آتی روشنی نے کمرے کے سارے اندھیرے دور کردیے تھے۔ فضا جیسے صاف ہوگئی تھی۔ ''تو یہ صرف ایک سازش تھی؟ میں خواہ مخواہ اتنا پریشان رہا۔'' اس نے بے اختیار پیشانی مسلی جیسے بہت سے تناؤ کو خارج کیا۔

''یہ تو ابھی شروعات ہیں' آقا۔ آگے بہت کچھ ہوگا۔ آپ کو خود کو مضبوط بنانا ہوگا۔ ہمیں مل کے ان سب سازشوں کا مقابلہ کرنا ہے۔'' پھر مراد نے کھڑکی سے باہر نگاہ دوڑائی۔ ''مجھے فوج کی مشقوں کی نگرانی کے لئے جانا ہے۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو....''

''ہاں ہاں۔ تم جاؤ۔'' مرسل نے ہاتھ جھلایا۔ وہ مطمئن اور پرسکون نظر آنے لگا تھا۔ مراد ادب سے سر کو خم دے کے اٹھا اور الٹے قدموں دروازے کی طرف بڑھا۔ کمرہ اتنا روشن ہو چکا تھا کہ دروازے کے ساتھ جلتی قندیل کا شعلہ بے معنی سا لگتا تھا۔ اس نے لوہے کا ڈھکن اٹھایا تا کہ قندیل کے اوپر رکھ کے شعلہ بجھا دے۔

''اصل میں ملکہ نے بھی عجیب غلط سلط باتیں میرے ذہن میں ڈال دیں۔'' مرسل شاہ پیچھے سے بڑبڑا رہا تھا۔ ''وہ بولیں کہ تاشہ کی شادی اس مرد سے ہوگئی تھی جو اس کے ساتھ چین سے یہاں آیا ہے' اور تو اور' مراد راجہ نے اس کو اپنے محل میں پناہ دے رکھی ہے۔''

مراد نے زوردار آواز سے لوہے کا ڈھکن شعلے کے اوپر رکھا۔

ہوا کا رستہ رک گیا۔

شعلہ بجھ گیا۔

مگر اس کا ہاتھ ڈھکن پہ ساکت ہوگیا۔

مرسل کی طرف اس کی پشت تھی' اس لئے مرسل اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا جو ایک دم زلزلوں کی زد میں آگیا تھا۔

سیاہ پڑتا ساکت چہرہ۔

اس نے ڈھکن سے ہاتھ ہٹایا تو وہ بہت وزنی محسوس ہوتا تھا۔ بدقت مرادراجہ نے قدم آگے بڑھائے اور باہر نکل گیا۔

راہداری میں تیز تیز قدم اٹھاتا بندا ہارا اس چہرے کے ساتھ نہیں جا رہا تھا جس کے ساتھ وہ آیا تھا۔

☆......☆......☆

تین چاند والے جزیرے پہ بھی صبح طلوع ہو چکی تھی۔ سمندر کا پانی لہروں کی صورت بار بار ساحل سے ٹکراتا اور واپس پلٹ جاتا۔ پہاڑی کے دامن میں درختوں تلے صندوق قطار در قطار رکھے تھے اور ان کے اوپر لکڑیوں کے چھپر بنائے گئے تھے۔ تاکہ وہ بارش سے محفوظ رہیں۔ سپاہی اب ایک طرف آگ جلا کے ناشتے کا انتظام کرنے میں مصروف تھے۔ جنگل کے اندر کوئی نہیں گیا تھا کیونکہ یقیناً وہاں بہت سے خونی کموڈو ڈریگن موجود تھے جو ہر سیاح کو کھا جاتے تھے اور لوگ اس جزیرے سے واپس نہیں لوٹتے تھے۔

پھر ایک سپاہی نے جنگل میں جانے کی ہمت کی اور تھوڑی دیر بعد چند پرندے شکار کر کے لے آیا۔ ویسے تو ان کے پاس کھانے کا وافر سامان موجود تھا مگر پرندے مل جانا بھی غنیمت تھا۔ اب دو افراد ان پرندوں کو آگ پہ بھونتے دکھائی دے رہے تھے۔

ایڈم ساحل کے پتھروں کے پاس بیٹھا تھا۔ کاغذ گھٹنوں پہ رکھے' وہ سیاہی میں قلم ڈبو ڈبو کے الفاظ صفحے پہ اتار رہا تھا۔

''مورخ صاحب!'' پیچھے سے ایک سپاہی نے اسے مخاطب کیا تو اس نے گردن موڑی۔

''ہاں کیا ہوا۔''

''میں سوچ رہا ہوں لکڑیاں کاٹ کے کشتی بنانے کا انتظام کروں۔ شہزادی تاشہ کے چلے جانے کی وجہ سے ہمارے پاس کوئی کشتی نہیں ہے۔ بالفرض 'دوسرا مرحلہ' ناکام ہو جاتا ہے تو ہم کیا کریں گے؟'' وہ فکرمند لگتا تھا۔

ایڈم ہلکا سا مسکرایا۔ ''ہاں تم اپنا انتظام پورا رکھو مگر مجھے یقین ہے کہ ہم دوسرے مرحلے تک ضرور پہنچ جائیں گے۔ جو لوگ سچ کا ساتھ دینا چاہتے ہیں' ان کے لئے راستے اللہ تعالیٰ خود کھولتا ہے۔''

سپاہی نے گردن موڑ کے درختوں کے چھپر تلے رکھے صندوقوں کو دیکھا اور پھر اس مورخ کو جو واپس کاغذوں کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ (سچ کیسا؟ ہم تو شہزادی کی غلامی اور احسانات کی وجہ سے ان سے وفا کر رہے ہیں۔ مگر خیر بڑے لوگوں کی بڑی باتیں۔)

پھر ایڈم کے قلم کاغذ کو دیکھا تو بولا۔ ''آپ لکھنے کا سامان ساتھ لائے تھے؟'' اسے حیرت ہوئی۔

''سراقہ کے کنگن والا واقعہ سنا ہے تم نے' سادونگ؟'' وہ مسکرا کے لکھتے ہوئے بولا تو سپاہی سوچ میں پڑ گیا۔

''وہ صحابی جن کو عمر بن خطابؓ نے فتح ایران کے بعد کسریٰ کے کنگن بھجوائے تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن دیکھے تھے؟''

''ہاں۔ جانتے ہو جب وہ صحابی نہیں تھے تو کیا تھے؟'' ایڈم لکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ لہروں کا شور اور نم ہوا' کچھ بھی اسے کام سے غافل نہیں کر پا رہا تھا۔'' وہ ہجرت مدینہ کے موقع پہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ کا پیچھا کرتے ان سے جا ملے تھے۔ وہ ان کو گرفتار کروانا چاہتے تھے مگر رسول اللہ ﷺ کی دعا سے ان کا گھوڑا ہلنے سے انکاری ہو گیا۔ اس کی ٹانگیں زمین میں دھنس گئیں۔ اس وقت انہوں نے آپ ﷺ سے امن کا پروانہ لکھ دینے کی درخواست کی تھی۔ اور رسول اللہ ﷺ کے حکم پہ ان کو وہ پروانہ لکھ کے دے دیا گیا تھا۔ جانتے ہو مجھے اس واقعے میں سب سے زیادہ کیا چیز حیران کرتی ہے؟'' شاہی مورخ قلم ہاتھ میں لئے کہہ رہا تھا۔

''یہی کہ ہجرت کے وقت کی بے سروسامانی کے عالم میں بھی لکھنے کا سامان ساتھ رکھا گیا تھا۔ جب مدینہ کی طرف جانے والوں کو اپنی جان بچانی تھی اور تعاقب کرنے والے کو سو اونٹوں کے لالچ نے بے تاب کر رکھا تھا' تب بھی کسی کے پاس لکھنے کا سامان موجود تھا۔ یہ لکھنا بھی عجیب چیز ہے۔ یہ کام انسان کو شروع سے نہیں آتا تھا۔ بہت سے کام انسان نے خود سیکھے۔ غاروں سے عمارتوں تک وہ خود پہنچا مگر لکھنا بالواسطہ اسے اللہ تعالیٰ نے سکھایا۔ کہتے ہیں کہ ادریس علیہ السلام کو وحی کے ذریعے لکھنا سکھایا گیا تھا۔ اس سے پہلے انسان لکھا نہیں کرتے تھے۔''

سادونگ نے گہری سانس لے کر اس مورخ کو دیکھا جو اپنے کاغذات کو دیکھتے ہوئے محبت سے کہہ رہا تھا۔

''تم نے پوچھا کہ میں نے لکھنے کا سامان کیوں ساتھ رکھا ہے؟ تو یہ ہے میرا جواب۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہم مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ سے سیکھی ہیں۔ لوگ چاہتے ہیں کہ وہ بڑے بڑے کام کریں۔ میں شاید بڑے بڑے کام نہیں کر سکتا۔ مجھ میں نہ اتنا ہنر ہے نہ اتنی ذہانت۔ نہ میرے پاس اتنے ذرائع ہیں۔ میں اکثر مایوس ہوتا تھا کہ میں اس اعلیٰ مقام تک کبھی نہیں پہنچ سکتا جس کی مثالیں دی جاتی ہیں۔ وان فاتح مجھے بڑی بڑی مثالیں دیا کرتے تھے۔ مگر مجھے ملاکہ نے یہ سکھایا ہے کہ انسان کو بڑے کام کرنے کے لیے پہلے چھوٹے چھوٹے کام کرنے پڑتے ہیں۔ اور میں نے اس چھوٹے کام سے شروع کیا!'' اس نے اپنا قلم اٹھا کے دکھایا۔ سادونگ خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔ اس کی باتیں سننا اس کی مجبوری تھی۔

''قلم سے۔ قلم نے اس واقعے میں کسی کی زندگی بچائی تھی۔ برسوں بعد بھی سراقہ بن مالک نے اس پروانے کو دکھا کے امن حاصل کیا تھا۔ تحریر میں جان بچانے کی طاقت ہوتی ہے سادونگ۔ جن لوگوں کو لکھنا آتا ہے' ان کا نہ لکھنا گناہ ہوتا ہے۔ اور مجھے لکھنا آتا ہے۔ جو سکون مجھے لکھنے سے ملتا ہے' کسی چیز سے نہیں ملتا۔ اب لکھنا میری مجبوری ہے۔ میں اگر نہیں لکھوں گا تو ایک عطائے خداوندی کو ضائع کروں گا۔ اور یہ گناہ ہے۔ تو میں یہ قلم کاغذ اس لئے ساتھ لایا تھا کیونکہ میں نے یہ بات اپنے نبی ﷺ کی زندگی سے سیکھی ہے۔ وہ دنیا کے سب سے عظیم انسان ہیں۔ میں یہ نہیں سوچتا کہ ہر وقت لکھنے کا سامان ساتھ رکھنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے' مگر میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اگر مجھے آپ ﷺ جیسا سچا اور دیانت دار انسان بننا ہے تو مجھے ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو اپنانا ہو گا۔ تب ہی میں بڑے بڑے کام کر سکوں گا۔''

جرنیل سادونگ نے گہری سانس لی اور دونوں ابرو اٹھائے۔ ''درست فرمایا۔اب میں ذرا کشتی کا سامان بنانا شروع کر دوں۔'' اور ذرا سی جھرجھری لے کر وہ مڑ گیا۔ایڈم نے مسکرا کے سر جھٹکا اور واپس کاغذ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ابھی اسے کافی سارا لکھنا تھا۔اگر شہزادی تاشہ کی امیدیں سچی تھیں اور انہوں نے واقعی وقت کے اس پار چلے جانا تھا تو اسے یہ کتاب جلد از جلد مکمل کرنی تھی۔

☆......☆......☆

ملاکہ سلطنت کا بنداہارا مراد راجہ اپنے محل میں داخل ہوا تو اس کی آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں۔اس کی نظر سے دیکھو تو سارے منظر نامے پہ سرخ دھند چھائی تھی۔دھندلی سی راہداری تھی جس میں وہ لمبے ڈگ بھرتا جا رہا تھا۔تیز تیز....راہداری بڑھتی جا رہی تھی....وہ چلتا جا رہا تھا...سرخ دھند گھنی ہوتی جا رہی تھی.....

درمیان میں کتنے لوگ آئے....پہریدار' دربان' سپاہی' غلام۔اس نے ہر ایک کو ہاتھ جھلا کے ہٹنے کا کہا۔

لوگ ہٹتے گئے۔راستہ دیتے گئے۔سرخ دھند دھوئیں میں بدلنے لگی۔ایسا دھواں جس میں سانس لینا تک دشوار ہو رہا تھا۔

اس کا سینہ بار بار گھٹ رہا تھا۔مٹھیاں بھنچی ہوئی اور ناخن ہتھیلی میں پیوست محسوس ہوتے تھے۔آنکھیں دہکتے انگاروں جیسی ہو رہی تھیں۔کسی بھوکے بھیڑیے کی مانند وہ جارحانہ انداز میں قدم اٹھا رہا تھا۔

(شہزادی نے اس شخص سے شادی کر رکھی ہے جو چین سے اس کے ساتھ آیا ہے۔اور مراد راجہ نے اس کو اپنے محل میں پناہ دے رکھی ہے۔) الفاظ اس کے کانوں میں پگھلا سیسہ انڈیل رہے تھے۔

گول زینہ سامنے آیا تو وہ بھی سرخ دھوئیں کی لپیٹ میں تھا۔ایسا دھواں جس میں انسانی گوشت کے جلنے کی بو شامل ہوتی ہے۔

مراد راجہ زینے اترنے لگا۔ایک ایک زینہ چھوڑ کے پھلانگتا....وہ گول سیڑھیاں چکر کی صورت عبور کرتا نیچے آیا۔

وہاں قید خانے بنے تھے۔قطار در قطار۔قیدی اسے دیکھ کے اٹھ کھڑے ہوئے۔مگر وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ آگے بڑھتا گیا۔سرخ دھواں گھنا ہوتا گیا۔بو شدید محسوس ہو رہی تھی۔

راہداری کے سرے پہ وہ کال کوٹھڑی تھی۔اس نے آتے ساتھ ہی زور سے دروازے پہ ہاتھ مارا۔ساتھ کھڑے پہریدار نے جلدی سے تالہ کھولا تو مراد پٹ دھکیلتا اندر داخل ہوا۔

سرخ دھند میں اتنا نظر آیا کہ قیدی کونے میں زمین پہ بیٹھا ہے۔پیر سے زنجیر بندھی ہے اور زنجیر کے سرے پہ وزنی لوہے کی گیند ہے۔اسے دیکھ کے قیدی نے سر اٹھایا' اس کی چھوٹی آنکھوں میں چمک آئی اور وہ مسکرایا۔سنہری رنگت اور چھوٹے بالوں والا خوش شکل قیدی جو بوسیدہ سفید کرتے پاجامے میں ملبوس اکڑوں بیٹھا تھا' اس وقت کسی دوسری دنیا کا فرد لگ رہا تھا۔

راجہ مراد کو سرخ دھند میں اس کے کپڑے بھی سرخی مائل نظر آرہے تھے۔

اس نے قیدی کو گریبان سے پکڑ کے کھڑا کیا اور دیوار سے لگا کے غرایا۔

''تمہارا میری بیٹی سے کیا تعلق ہے؟''

فاتح نے اپنے ہاتھ نہیں اٹھائے۔ سر کی پشت دیوار سے لگائے رکھی۔ اور ابرو اچکا کے مسکرایا۔

''تم یہ سوال مجھے کرسی پیش کر کے بھی پوچھ سکتے ہو۔''

''بتاؤ مجھے.... کون ہو تم؟ ورنہ میں تمہاری جان لے لوں گا۔'' مراد کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

چند لمحے کے لیے قید خانے میں خاموشی چھا گئی۔ صرف مراد کے تیز' بے ربط تنفس کی آواز سنائی دیتی تھی۔

''ہماری دنیا میں ہمیں گیم تھیوری پڑھائی جاتی تھی۔ گیم تھیوری۔ حکمتِ چال۔ ایک ایسی حکمت ہے جو کھیل' سیاست' جنگ حتیٰ کہ تمام بڑے فیصلے لیتے وقت استعمال کی جاتی ہے۔ کیا تم نے کبھی حکمتِ چال کے بارے میں سنا ہے' راجہ؟'' وہ تحمل سے بولا تو مراد راجہ نے جھٹکے سے اس کا گریبان چھوڑا اور دو قدم پیچھے ہٹا۔ اسے جیسے سمجھ نہیں آرہا تھا وہ اس آدمی کے ساتھ کیا کرے۔ بس دانت کچکچاتا وہ اسے دیکھ رہا تھا جو اپنی ہی رو میں کہہ رہا تھا۔

''کھلاڑی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ متناہی اور لامتناہی۔ متناہی کھلاڑی محدود ہوتے ہیں۔ تمہارے جیسے۔ وہ جب کھیلتے ہیں تو اصولوں کے اندر رہتے ہوئے' ایک مقرر کردہ ہدف کو حاصل کرنے کے لئے کھیلتے ہیں۔ وہ صرف جیتنے کے لئے کھیلتے ہیں۔ محدود کھلاڑی ہارتے بھی ہیں' اور جیتتے بھی ہیں کیونکہ ان کا مقصد صرف طاقت کا حصول ہوتا ہے۔''

''میں آخری بار انسانوں کی زبان میں پوچھ رہا ہوں کہ تم کون ہو؟'' وہ غرایا تھا۔ اس کا چہرہ غیض وغضب سے سیاہ پڑ رہا تھا۔

''مگر لامتناہی کھلاڑی میرے جیسے ہوتے ہیں۔ لامحدود۔ وہ بغیر اصولوں کے' بغیر کسی ہدف کے کھیلتے ہیں۔ ان کا مقصد جیتنا یا کوئی مقصد حاصل کرنا یا طاقت پالینا نہیں ہوتا۔ وہ اپنے ارادے کی مضبوطی سے کھیلتے ہیں۔ وہ اپنی مرضی سے اصول بدل لیتے ہیں' حدود کو آگے پیچھے کر لیتے ہیں' کیونکہ وہ اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے ہوتے ہیں۔ وہ صرف کھیل کو بڑھاتے رہنے کی غرض سے کھیلتے جاتے ہیں۔ وہ جیتنے کے لیے نہیں کھیلتے اس لیے غیر لامتناہی کھلاڑی کبھی نہیں ہارتے۔ ان کو کوئی ہرا ہی نہیں سکتا۔''

''تمہارا.... میری بیٹی سے .... کیا تعلق ہے؟'' راجہ نے چبا چبا کے الفاظ ادا کیے تو غصیلی نظریں اس پہ جمی تھیں.... کال کوٹھڑی کے اندر وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے اور باہر راہداری میں سپاہی ہاتھ باندھے سر جھکائے کھڑے تھے۔

''ہماری دنیا کی حکمتِ چال کے مطابق.. تم ایک لامتناہی کھلاڑی کو نہیں ہرا سکتے۔ بقا کی جنگ لڑنے والے زماں ومکاں کی قید سے نکل کے کھیلتے ہیں۔'' پھر اس نے افسوس سے سر ہلایا۔ ''ہمیں تم سے تب تک کھیل کھیلنا ہے جب تک کھیل جاری رہ سکے اور تم تھک کے

ہمیں یہاں سے جانے دو۔میں جب چاہتا ہوں اپنی مرضی سے اصول بدل لیتا ہوں کیونکہ تالیہ اور میرے کوئی اصول' کوئی حدود نہیں ہیں۔ہمیں طاقت اور اہداف نہیں چاہئیں۔ہمیں صرف اپنی دنیا میں واپس جانا ہے اور جب تم مجھے اپنے سامنے کرسی پہ بٹھانے کے لئے تیار ہو جاؤ گے تو میں تمہیں بتا دوں گا.... کہ میرا اور تالیہ کا کیا تعلق ہے۔''

مراد نچلا لب دانتوں سے دبائے' نفی میں سر ہلاتا الٹے قدموں پیچھے ہٹتا گیا۔

''خدا کی قسم اگر ملکہ کی بات درست ہے تو میں تمہارا کھیل تم پہ الٹ دوں گا۔'' وہ الٹے قدموں پیچھے جا رہا تھا۔سرخ دھواں آہستہ آہستہ چھٹ رہا تھا۔نیم اندھیر کمرہ صاف دکھائی دینے لگا۔

''میں تم سے نہیں ڈرتا' راجہ۔تم مجھے کبھی نہیں مارو گے' میں جانتا ہوں۔اور اب تو بالکل بھی نہیں۔'' وہ دیوار سے لگا کھڑا تھا اور ہاتھ سینے پہ لپیٹ لئے تھے۔آنکھوں میں راجہ کے لیے صرف ترحم تھا۔

''میں تمہیں.... ابھی.... ابھی اسی وقت مار سکتا ہوں۔'' وہ بلند آواز میں گرجا۔غم و غصے سے اس کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔

سینے پہ بازو لپیٹے کھڑے فاتح نے ابرو اچکائے۔''اگر تم نے مجھے مار دیا تو تمہاری بیٹی اور تمہارے رشتے کا کیا بنے گا؟ وہ تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔یہی سوچ رہے ہو نا تم اس وقت۔میں تمہارا ذہن پڑھ سکتا ہوں' بنداہارا!'' سرد سا مسکرایا۔''اس لئے بہتر ہے کہ مجھے مارنے کی بجائے تم اپنی فکر کرو کیونکہ تمہیں بہت جلد اس سے بڑے جھٹکے ملنے والے ہیں۔کیونکہ میں کھیل جاری رکھنے کے لیے کھیل رہا ہوں۔''

''میں تمہیں دیکھ لوں گا۔'' وہ اس پہ غراتا ہوا آگے بڑھا۔ساتھ ہی بلند آواز میں حکم صادر کیا۔''اس کا کھانا پانی بند کر دو اور....اور....'' بے بسی سے جیسے وہ بس یہی حکم جاری کر پایا تھا۔''اور اس کو اتنا مارو کہ یہ خود کو بھی نہ پہچان سکے۔''

سپاہی فوراً سے فاتح کی کوٹھڑی کی طرف لپکے۔دوسری کوٹھڑیوں کے قیدی بھی کھڑے ہونے لگے۔

مراد راجہ ماتھے پہ بل ڈالے' بازو پیچھے باندھے' لمبے ڈگ بھرتا زینے کی طرف بڑھ گیا۔

سرخ دھند کی جگہ اب سیاہ دھوئیں نے لے لی تھی۔

اس کے اندر کا سارا گوشت جیسے جل گیا تھا اور اب صرف راکھ رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆

بنداہارا کے محل کے داخلی دروازے کے سامنے جو روشن بنی تھی' اس پہ پھولوں کی پتیاں گری پڑی تھیں۔آج صبح شہزادی تاشہ واپس آئی تھی تو بگھی سے اترتے ہی اس کا استقبال کنیزوں اور خادموں نے بہت محبت سے کیا تھا۔

اس کا کمرہ ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ کے گئی تھی' البتہ مختلف جگہوں پہ کھونٹیاں لگا کے زرتار کامدار ملبوسات لٹکائے گئے تھے۔یہ اس

کی شادی کے لئے بنوائے گئے تھے۔ وہ چغہ اتار کے مسہری پہ پھینکتی کینہ توز نظروں سے ان کپڑوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے جوڑے میں بندھے بال خشک ہو رہے تھے۔ دو دن پرانا سیاہ کرتا پاجامہ پہنے' وہ قدرے بے رونق سی لگ رہی تھی۔ چہرے پہ سفر کی تکان تھی اور آنکھوں میں بے زاری۔

ایک زمانے میں اس کی کتنی خواہش تھی کہ....

کہ وہ کوئی شہزادی ہوتی...

جس کی شادی کسی بادشاہ سے ہوتی...

اور سونے چاندی کے ڈھیر کے ساتھ زرتار عروسی ملبوسات میں اس کو رخصت کیا جاتا۔

اور آج اس نے جانا تھا کہ کچھ خواب پورے ہونے کے لئے نہیں' صرف دل کو خوش کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ فینٹسی۔ ذہن میں بنی کہانیاں۔ ان کو پورا نہیں ہونا چاہیے۔ ورنہ وہ ٹریجڈی بن جاتی ہیں۔

شریفہ ایک دم آندھی طوفان کی طرح اندر بھاگتی ہوئی داخل ہوئی تو تالیہ نے بے زاری سے اسے دیکھا۔ ''ابھی تو ہم سفر سے آئے ہیں....دو گھڑی سانس تو لے لو' شریفہ!''

''شہزادی....شہزادی....'' پھولے تنفس سے اس نے جو بات بتائی' وہ تالیہ مراد کو پتھر کا بت بنا گئی تھی۔

قید خانے میں وہ صلیب کی صورت میں بندھا تھا اور سپاہی اسکی کمر پہ زور زور سے کوڑے مار رہا تھا۔ فاتح نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ اس کے کندھوں اور کمر سے خون بہہ رہا تھا۔ ہر ضرب کے ساتھ دماغ کی چولیں ہل جاتیں۔ اور خون کے ہر قطرے کے ساتھ وہ مناظر یاد آنے لگتے۔

آریانہ سفید لباس میں پہاڑی پہ گری پڑی تھی۔

اس کا لباس خون آلود تھا۔

اس کی آنکھیں بند تھیں۔

وہ اس کا سر گود میں رکھے رو رہا تھا۔

وہ اپنے ہاتھوں سے مٹی کھود رہا تھا۔

سپاہی اس کی کمر پہ زور زور سے کوڑے برسا رہا تھا اور وہ....وہ آریانہ کی پتھروں سے ڈھکی قبر کے سامنے گم صم بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پہ آنسوؤں کے نشانات تھے۔

اس کی کمر پہ خون کی دھاریں تھیں۔

جب تالیہ اس گول زینے کو اتر رہی تھی تو اس کے سامنے کوئی سرخ دھند نہ تھی۔ صرف خوف تھا۔ اور امید تھی۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ چہرہ غم و غصے سے سرخ دہک رہا تھا۔

وہ بھاگتی ہوئی نیچے آئی تھی۔ سیاہ کرتے پاجامے میں ملبوس' وہ ننگے پیر دیوانہ وار اس آخری کوٹھڑی کی طرف لپکی۔

چوکھٹ پہ پہنچ کے وہ دھک سے رہ گئی۔

کوٹھڑی کا دروازہ کھلا تھا۔ چند سپاہی اندر کھڑے تھے۔ ایک دیوار سے لگا کھڑا فاتح صلیب کی صورت بندھا تھا۔ اس کی گردن بائیں کندھے پہ ڈھلکی ہوئی تھی اور لباس پھٹا ہوا خون آلود تھا۔ پیشانی اور سر کے مختلف حصوں سے خون بہہ بہہ کے جسم پہ گر رہا تھا۔ کندھے' کمر' بازو.... ہر جگہ زخموں کے نشان نظر آتے تھے۔ اس کی آنکھیں بند تھیں جیسے بے ہوش ہو' یا کرب سے میچ رکھی ہوں۔

''ہٹو۔ چھوڑو اس کو۔ میں کہہ رہی ہوں' چھوڑو اس کو۔'' شہزادی تاشہ غراتی ہوئی آگے آئی اور جو سپاہی فاتح کے سر پہ کھڑا ہنٹر فضا میں بلند کیے اسے مارنے ہی لگا تھا' اسے پرے دھکیلا۔ سپاہی چونکا' پھر گرتے گرتے سنبھلا اور اس کی طرف دیکھا۔

سامنے وہ بھوکی شیرنی کی طرح کھڑی اسے گھور رہی تھی۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ تم اس کو ہاتھ بھی لگاؤ!'' وہ جب اس کو سرخ آنکھوں سے دیکھتی غرائی تھی تو اس کی آواز میں نسوانی پن نہ تھا۔ وہ کسی وحشی درندے کی غراہٹ لگتی تھی۔ وان فاتح نے اس عجیب آواز پہ آنکھیں ذرا سی کھولیں۔ جھری سے نظر آیا۔ وہ دونوں پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے کھڑی سپاہی پہ چلا رہی تھی۔

''شہزادی.... یہ راجہ کا حکم ہے' اس لئے خدارا آپ یہاں سے جائیے اور ہمیں ہمارا کام کرنے دیں۔'' ہنٹر والا ہاتھ اس نے پیچھے کر کے بصدِ احترام بتایا تو شعلہ بار نظریں اس پہ جمائے چند قدم آگے آئی۔ سپاہی نے گردن جھکا دی۔

''میں ملاکہ سلطنت کے بنداہارا مراد راجہ کی بیٹی تاشہ ہوں۔ میں.... سلطان مرسل شاہ کی ہونے والی بیوی ہوں۔ میں ملاکہ سلطنت کی ہونے والی ملکہ ہوں۔ جب سلطان مرے گا تو میں اس ملک کی حکمران ہوں گی اور میرے بیٹے تخت سنبھالیں گے۔ مراد راجہ ماضی ہو گیا ہے۔ ملکہ بنتے ہی سب سے پہلے میں اس کی گردن قلم کرواؤں گی۔ اب تم بتاؤ' جرنیل' تمہیں کس کا حکم ماننا ہے؟ ہونے والی ملکہ کا؟ یا ہونے والے مقتول کا؟'' وہ آنکھوں میں خون لئے اسی غراہٹ کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ فاتح کی طرف اس کا نیم رخ تھا۔ اس نے بدقت دھندلی بصارت سے منظر دیکھنا چاہا۔

سپاہی نے مزید سر جھکا دیا اور ہنٹر زمین پہ پھینک دیا۔ دوسرے سپاہی بھی پیچھے ہٹ گئے۔

''میں تمہارے راجہ سے مل کے آتی ہوں۔ تب تک اس قیدی کو کھانا کھلاؤ' پانی پلاؤ اور نیا لباس دو۔ پھر اس کی مرہم پٹی کرو۔''

اب غراہٹ نہیں تھی مگر آواز ہنوز بھاری تھی۔ اس میں شہزادیوں والا نازو انداز نہیں' ملکہ والا قہر تھا۔ پھر وہ فاتح کی طرف گھومی جو

بے حال سا بندھا کھڑا تھا۔اور ایک اچٹتی نظر اس پہ ڈالی۔

''جب میں واپس آؤں تو مجھے یہ تندرست نظر آنا چاہیے۔اپنی ملکہ کی بات ماننا سیکھو' جرنیل!''

وان فاتح نے اسے دیکھتے ہوئے زخمی چہرے کے ساتھ ابرو اچکائے۔(سیریئسلی؟) لب بے آواز ہلائے۔

تالیہ نے جواب نہیں دیا۔بس اسے بھی ایک خشمگیں نظر سے نوازا اور تیز تیز باہر نکل گئی۔

مراد راجہ باغیچے میں تنہا ٹہل رہا تھا۔سر پہ قیمتی جواہر سے مزین ٹوپی تھی اور کندھوں پہ سنہری قبا۔بازو کمر پہ باندھے وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

''راجہ...مراد راجہ!'' آواز پہ وہ تیزی سے گھوما۔

سامنے سے دوڑتی ہوئی تالیہ آ رہی تھی۔وہ ملگجے لباس میں تھی اور چہرے پہ سخت طیش چھایا تھا۔

مراد اس کو دیکھ کے یک لخت سن ہو گیا تھا۔پھر جیسے ہی وہ قریب آئی اس نے اسے کندھوں سے تھاما۔''تالیہ...تم آ گئیں۔''

اس نے سختی سے مراد کے ہاتھ جھٹکے۔

''آپ کو لگتا تھا میں نہیں آؤں گی؟''

''وان فاتح نے کہا تھا کہ تمہارا انجام یہ ہوگا کہ....(اس کی آواز ٹوٹی) تم سمندری سفر سے نہیں لوٹو گی۔''

''تو کیا آپ وان فاتح سے ہر ایک کا انجام پوچھ رہے تھے؟'' اس کی آواز میں ترشی در آئی۔''میرے جاتے ہی آپ نے اسے کھوج نکالا اور پھر قید کر کے یوں تشدد کیا جیسے میں نے کبھی واپس ہی نہیں آنا تھا؟ یہی چاہتے تھے آپ؟''

مراد کے چہرے پہ افسوس ابھرا۔''میں کبھی بھی ایسا نہیں چاہتا تھا۔میں نے تمہارے پیچھے سپاہی بھیجے تا کہ وہ تمہیں واپس لائیں۔ وہ کل رات کو لوٹ آئے۔ان کے مطابق تم جنوبی محل نہیں گئی تھیں۔میں نہیں پوچھوں گا کہ تم کہاں گئیں کیونکہ تم اب واپس آ گئی ہو' یہی بہت ہے۔'' پھر اس کی آنکھوں میں تکلیف ابھری۔''تم میری بیٹی ہو' تالیہ۔تم نے اتنے سال میرے ساتھ سارے کام مل کے کیے ہیں۔تم جنگل میں میرے ساتھ جاتی تھیں' جب میں 'عبادت' میں مشغول ہوتا تھا تو تم میرے لئے کھانا بناتی تھیں۔'' وہ تاسف سے اسے دیکھتا کہہ رہا تھا۔

''ہاں تم ایک دم سے....بڑی ہو گئی ہو...اور میں تمہارے اس....(اس کی طرف اشارہ کیا) نئے روپ سے سمجھوتہ نہیں کر سکا کیونکہ میرے لئے میری بیٹی وہی چھوٹی سی تھی۔لیکن 'وقت' تمہیں جتنا بھی بدل دے' وہ میرے دل سے تالیہ کی جگہ کو نہیں بدل سکتا۔''

مگر سامنے کھڑی تالیہ کی پیشانی شکن آلود ہوتی گئی۔''اب ان باتوں کا وقت گزر گیا ہے' راجہ۔یہ باتیں اب مجھ پہ اثر نہیں کرتیں۔مجھے صرف اتنا بتائیے کہ وان فاتح پہ اتنا ظلم کیوں کیا آپ نے؟''

''کیونکہ اسے کرسی پہ بٹھانے کا وقت نہیں آیا۔'' مراد کے تاثرات تن گئے۔چہرے پہ برہمی عود آئی۔''تم اس کی فکر کرنا چھوڑ دو۔''

''وہ کرسی کا حقدار ہے' راجہ۔وہ کرسی پہ ہی بیٹھے گا۔وہ محلوں میں رہنے والا ہے اور محل ہی اس کا مقدر ہیں۔اس کے سر کے اوپر

سے حکمرانی کا ہما گزرا ہے۔ آپ اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔"

"تمہارا کیا تعلق ہے اس سے؟" وہ زیرِ لب آہستہ سے بولا۔ تیز شکاری نظریں تالیہ کے چہرے پہ جمی تھیں۔

"جب اس کو کرسی پیش کریں گے تو وہ بتا دے گا۔ لیکن ابھی کے لئے' آپ اس کو جانے دیں۔ ورنہ میں سپاہیوں سے کہوں گی' اور وہ اسے جانے دیں گے۔"

"میری پیاری شہزادی!" وہ طنز سے مسکرایا۔ "سپاہی میرے ہیں اور میرا حکم مانتے ہیں۔ کل میں نے ان سپاہیوں کو حکم دیا تھا کہ اسے تب تک مارو جب تک تاشہ نہ آ جائے اور اگر وہ کہے کہ مت مارو تو ہاتھ روک دینا' لیکن اگر وہ کہے کہ اسے چھوڑ دو تو اپنی تلواریں شہزادی تاشہ کے اوپر تان لینا۔ وہ خود ہی پیچھے ہٹ جائے گی۔"

کاٹ دار لہجے میں بولتا وہ بالکل اجنبی ہو گیا تھا۔

تالیہ کے اکڑے کندھے ڈھیلے پڑنے لگے۔

"بابا..." اس کے لب پھڑ پھڑائے۔

"بابا کہنے کا وقت بھی گزر چکا ہے۔ مجھ پہ اب یہ الفاظ اثر نہیں کرتے۔ چند ثانیے پہلے تک میں شک میں تھا کہ ملکہ کی بات غلط ہو گی لیکن تمہارا انداز سب عیاں کر چکا ہے۔" وہ افسوس سے کہہ رہا تھا۔ "تم مجھے اپنا دشمن سمجھتی ہو' باپ نہیں۔ تم نے مجھ سے جھوٹ بولا کہ تم اکیلی آئی ہو۔ تم نے اپنی شادی کو چھپایا۔ تم نے سلطان کے سامنے مجھے مجرم بنا دیا۔ وان فاتح درست کہتا تھا۔ تم اپنی دنیا میں ایماندار نہیں تھیں۔ مجھے تم سے ایمانداری کی توقع نہیں کرنا چاہیے تھی۔"

وہ بس چپ کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

"میں تمہیں ملاکہ کی سلطنت دینے جا رہا تھا اور تم نے اپنی اس دنیا کو ترجیح دی جہاں تم اپنی محنت سے دو آنے تک نہیں کما سکتی تھیں۔ کیا ہو تم اس دنیا میں؟ یہ جو یہاں تمہاری آواز میں غراہٹ در آتی ہے نا' یہ اس دنیا میں نہیں ہو گی۔ کیونکہ یہاں تمہارے پاس طاقت ہے اور طاقت جیسا اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔ تم اپنی دنیا میں واپس چلی گئیں تو دیوانی ہو جاؤ گی' پاگل ہو جاؤ گی کیونکہ وہاں تم شہزادی نہیں ہو گی۔ اس لئے قدر کرو اس سلطنت کی جو تمہاری ہونے والی ہے۔ ابھی بھی وقت ہے تالیہ' ملکہ کے الزامات کو رد کر دو اور کہہ دو کہ تم نے اس (دانت پیسے) اس غلام سے نکاح نہیں کر رکھا۔ خدا کی قسم میں تمہیں بچا لوں گا۔"

تالیہ بس سپاٹ نظروں سے اسے دیکھے گئی۔

"سوچ لو' تالیہ! میں آخری بار کہہ رہا ہوں!"

"اس کو کرسی پیش کریں' راجہ۔ اس سے پوچھیں کہ وہ کیا چاہتا ہے تو وہ بتا دے گا۔ اور یہ آپ کی بھول ہے کہ آپ اسے قید میں

زیادہ دیر رکھ سکتے ہیں۔ اگر میں اسے نہیں آزاد کروا سکتی تو کوئی ہے جس کے پاس مجھ سے زیادہ طاقت ہے۔ اور جس دن اس کو اپنی طاقت کا علم ہوا' وہ اسے آزاد کروا لے گا۔"

مراد راجہ کے ابرو بھنچ گئے۔ "کون؟"

"آپ جلد جان جائیں گے۔" وہ تنفر سے کہتی ایک آخری نظر اس پہ ڈالتی پلٹ گئی۔ یقیناً اسے قیدی کے پاس جانے کی جلدی تھی۔
مراد نے ایک خشمگیں نگاہ اس پہ ڈالی اور پلٹ گیا۔ اس کا رخ اپنی تیار سواری کی طرف تھا۔ اسے بھی کسی سے ملنے کی جلدی تھی۔
دھند کا جالا بنتی سرخ مکڑی اس نے ذہن سے نکال کے دور پھینک دی تھی۔

☆......☆......☆

قید خانے کا ماحول اب قدرے مختلف تھا۔ فضا سے تناؤ' خوف اور وحشت چھٹ چکی تھی۔ اب وہاں صرف خاموشی تھی۔
وان فاتح کی کوٹھڑی کا دروازہ بدستور کھلا تھا۔ اس کے پیر سے لگی زنجیر ویسی ہی تھی' مگر لباس بدل چکا تھا۔ خاکی رنگ کا صاف پاجامہ اور اوپر بنا آستین کی جیکٹ نما شے پہن رکھی تھی۔ کمر پہ پٹیاں بندھی تھیں اور سامنے کھلے سینے پہ بھی کئی جگہ مرہم لگے تھے۔ وہ اکڑوں بیٹھا تھا اور دیوار سے ٹیک لگا رکھی تھی۔ چہرہ اب صاف تھا' مگر خون آلود کٹ دکھائی دیتے تھے۔
ایک خادم اس کے برہنہ بازو کے زخم کو دیکھ رہا تھا' دوسرا دوا کا تھال لئے سر پہ کھڑا تھا۔
"تم لوگ جاؤ' میں دیکھ لوں گی۔" آواز کے ساتھ نسوانی جوتی کی قریب آتی آہٹ سنائی دی تو فاتح نے آنکھیں کھولیں۔ کوٹھڑی کے کھلے دروازے میں وہ نظر آئی تھی۔ اس نے پلکیں جھپکیں۔ دھندلا منظر ذرا واضح ہوا۔
وہ بھورے باجو کرنگ میں ملبوس' سر پہ دوپٹہ لپیٹے' سادہ مگر خوبصورت کنیز لگ رہی تھی۔ سپاٹ چہرے کے ساتھ قریب آئی اور روئی خادم کے ہاتھ سے لی۔ پھر فاتح کے ساتھ دوزانو ہو کے بیٹھی۔
"یہ تھال یہیں رکھ دو اور جاؤ۔ مجھے دوسری دفعہ نہ کہنا پڑے۔" انداز حتمی تھا۔
خادم تعظیم بجا لائے اور باہر نکل گئے۔ دروازہ کھلا رہ گیا۔
تالیہ نے روئی تھال میں پڑے پیالے میں ڈبوئی' اس پہ پانی جیسا مائع لگ گیا اور پھر اس کے بازو کے اوپری حصے تک لائی۔ وہ جواد ھ کھلی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا' کندھا پیچھے کیا۔ تالیہ نے محض سیاہ آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔
"مجھے زخم کو دیکھنے دیں۔" انگریزی میں زیرِ لب بولی۔ گویا منت کی۔
"تمہیں زخموں کا کیا پتہ؟"
"سنگاپور کی ایک امیر بیوہ کو لوٹا تھا میں نے۔ اس کی نرس بن کے گئی تھی۔ وہ ایکسیڈنٹ میں زخمی ہوئی تھی۔" اس نے فاتح کے

بازو کو دیکھتے اب بھیگی روئی زخم پہ رکھی تو اس نے (سس) کر کے آنکھیں موندیں۔

''کیا چرایا تھا اس سے؟''

''زیور۔اور کچھ نقدی۔مگر جتنی خدمت اس کی میں نے کی' وہ میرا حق بنتا تھا۔اس لئے تھوڑا بہت یہ کام آتا ہے مجھے۔''

''وقت کے اس پار زخموں کی دیکھ بھال کے طریقے مختلف ہوتے ہیں' حالم!''

وہ جو روئی سے آہستہ آہستہ زخم صاف کر رہی تھی' بے اختیار ہاتھ روک کے اسے دیکھنے لگی۔

''اتنے دن بعد میرا یہ نام کیسے یاد آیا آپ کو' تو انکو؟''

''جیسے تمہیں اتنے دن بعد اپنا پرانا کام یاد آیا۔'' وہ ماتھے پہ شکنیں لئے' آنکھیں میچے ہوئے تھا۔بازو پہ سرخ لکیروں کی صورت لمبے لمبے کٹ پڑے تھے۔تالیہ آہستہ آہستہ بھیگی روئی سے ان کو صاف کرنے لگی۔

''آپ تو کہتے تھے آپ کسی سے نہیں ڈرتے۔راجہ کے سامنے کھڑے ہونے کے لئے تیار ہیں۔اب ان زخموں سے تکلیف کیوں ہو رہی ہے؟''

فاتح نے آنکھیں کھول کے مصنوعی خفگی سے اسے دیکھا۔

''تکلیف تو سب کو ہوتی ہے۔''

''ڈر بھی سب کو لگتا ہے اور کسی کا ساتھ بھی سب کو ہی چاہیے ہوتا ہے۔آپ بھی جتنے بہادر اور مضبوط بن جائیں' فاتح صاحب' فطری جذبات سے نہیں بھاگ سکتے آپ!'' وہ پلکیں زخم پہ جھکائے کہہ رہی تھی۔وہ چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

''تم جلدی آ گئیں۔حالانکہ تمہیں ادھر رہنا تھا اور ایڈم کو واپس آنا تھا۔''

''آپ کو میری ضرورت تھی۔اسی لئے آ گئی۔'' فاتح نے ہلکا سا سر جھٹکا مگر پھر بات بدل دی۔

''جزیرہ مل گیا تھا؟''

''اور سونا بھی۔ایڈم وہ سب ساتھ لے کر ہی آئے گا۔'' وہ اب دھیمی آواز میں تفصیلات بتا رہی تھی۔

''گڈ۔ہر چیز پلان کے مطابق جا رہی ہے۔''

''سوائے آپ کی گرفتاری اور اس قید کے۔'' اس نے روئی رکھی اور مرہم سے بھرا پیالہ اٹھایا۔پھر انگلی اس میں ڈبوئی اور کندھے پہ دوا لگانا شروع کی۔ٹھنڈے مرہم کے زخم پہ لگتے ہی وہ (سس) کراہا مگر ضبط کر گیا۔

''تو تم آ گئی ہو نا۔مجھے چھڑوا لو گی۔''

''نہیں۔راجہ کو ملکہ نے ہمارے نکاح کا بتا دیا ہے' وہ اب آپ سے کسی قسم کی رعایت نہیں برتے گا۔سپاہی میرا حکم نہیں مانیں گے۔''

''پھر؟'' اس نے تشویش سے ابرو اٹھائے۔ ''آخری مرحلے کے لئے میرا آزاد ہونا ضروری تھا۔''

''تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔ پلان اے ناکام ہو جائے تو پلان سی ہے نا۔''

''اور پلان بی کا کیا؟''

''تالیہ کے پلانز ہیں۔ تالیہ کی مرضی!'' وہ توجہ سے دھیرے دھیرے دوا لیپ رہی تھی۔

کوٹھڑی میں خاموشی چھا گئی۔ باہر کون سا پہر ہوا تھا' اندر ہمیشہ اندھیرا ہوتا تھا۔ ایسے میں دیوار پہ نصب مشعلوں کے شعلے مدھم روشنی بکھیرے ہوئے تھے۔

اس کے ہاتھ پہ بھی ضرب لگی تھی اور ہتھیلی کے اندر کی طرف بڑا سا کٹ لگا تھا۔ تالیہ نے اس کی ہتھیلی اپنے ایک ہاتھ پہ پھیلائی' اور پھر بھیگی روئی سے ہتھیلی پہ لگی خون کی لکیر صاف کی۔

''تم واپس جا کے کیا کرو گی؟'' وہ اس کی جھکی پلکیں دیکھ کے پوچھنے لگا تو انداز نرم تھا۔

تالیہ نے چہرہ نہیں اٹھایا۔ بس مگن انداز میں اس کی ہتھیلی سے خون کے دھبے صاف کرتے ہوئے بولی۔ ''میں اپنی وہ دولت جس کو میں نے محنت سے نہیں کمایا....''

''یعنی ساری دولت....''

''....اس کو میں اپنے پاس نہیں رکھوں گی۔ فارغ وقت میں پینٹنگز بناؤں گی۔ جائز کمائی کروں گی' اور خوش رہوں گی۔ شاید کسی دوسرے ملک چلی جاؤں۔ آپ تو ظاہر ہے جاتے ساتھ ہی مجھے چھوڑ دیں گے۔''

''ہاں' ظاہر ہے۔'' اس نے عام سے انداز میں کہا۔ تالیہ کے ہاتھ لمحے بھر کو بھی نہیں تھمے۔ وہ زخم صاف کرتی رہی۔

بس اس وقت اس کو کمزور نہیں پڑنا تھا۔ اس تعلق پہ رونے کے لیے عمر پڑی تھی۔

''آپ کیا کریں گے؟''

''میں واپس جا کے ایک دنیا کو وضاحت دیتا رہوں گا کہ یہ چار ماہ میں نے کہاں گزارے۔'' اس نے جھرجھری لی۔

''چار ماہ!'' تالیہ نے گہری سانس لی۔ ''چار ماہ بیت گئے! لیکن....'' وہ چونکی۔ ''اگر وقت رک گیا ہو تو؟''

''اور اگر نہ رکا ہو تو؟ ہمیں ہر شے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ سس۔'' وہ ہاتھ پہ دوا لگا رہی تھی اس لئے اس کے لبوں سے سسکاری نکلی۔ آنکھیں بھی تکلیف سے میچیں۔ تالیہ نے رک کے اسے دیکھا۔ ''ایک بات پوچھوں۔'' اس کا دھیان بٹانے کی غرض سے بولی۔ ''آپ کا والٹ کہاں گیا؟''

''موبائل' والٹ' جوتے' ہر چیز جنگل میں کھو گئی تھی جب ہمیں گرفتار کیا گیا تھا۔''

"آپ کا والٹ میرے پاس ہے۔ گر گیا تھا تو میں نے اٹھا لیا۔ دینا بھول گئی۔"

وہ چونکا' پھر اسے دیکھ کے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔

"اور تمہیں تو بھول کے چیزیں اٹھانے کی بہت عادت ہے۔"

اس نے مسکراہٹ دبا کے شانے اچکائے۔ پھر دوا کا پیالہ رکھ دیا اور پٹی اٹھا لی۔

"اس کے اندر ایک زپ لاک بیگ میں مکئی کے چند دانے تھے۔ ٹوٹے پھوٹے پرانے پاپ کارن۔ آپ نے انہیں کیوں رکھا ہوا ہے سنبھال کے؟" وہ اب پٹی اس کے ہاتھ پہ باندھ رہی تھی۔ جواب نہیں آیا تو سر جھکائے کام کرتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے' نہ بتائیں۔ ویسے بھی میں ہوں تو آپ کی بس ایک ادنیٰ سی کارکن۔ تالیہ دی فین گرل۔ اس لئے...."

"وہ آریانہ کے تھے۔" تالیہ نے چونک کے سر اٹھایا۔ پٹی کا بل دیتے ہاتھ وہیں تھم گئے۔

وہ اسی کو دیکھ رہا تھا مگر اس کی آنکھوں میں کچھ تھا جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ آواز بھی دھیمی ہو گئی تھی۔

"جس دن آریانہ کھوئی تھی' وہ انہیں کھا رہی تھی۔ جب میں اس کی تلاش میں پہاڑیوں کی طرف دوڑا تو مجھے وہ نظر آئے تھے۔ وہ اغوا کاروں کی نشاندہی کے لئے پاپ کارن گراتی گئی تھی تاکہ ہم ان کی مدد سے اسے تلاش کر لیں۔"

"اسے فیری ٹیلز پسند تھیں!" وہ اداسی سے مسکرائی۔ پھر چونکی۔ "لیکن آپ نے تو پریس میں کہا تھا کہ آریانہ کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ سب کو ہی معلوم ہے کہ اسے صوفیہ رحمٰن نے اغوا کروا کے غائب کر دیا تھا۔ مسز عصرہ تو ٹی وی پہ برملا کہتی ہیں کہ ان کی بیٹی کسی اچھے گھرانے کو ہی ملی ہو گی کیونکہ ان کو واپس نہیں ملی مگر...." اس کی آنکھیں وان فاتح کی زخمی آنکھوں پہ ٹھہر گئیں۔ "مگر.... کیا آپ کو پاپ کارن ملے تھے؟"

وہ خاموش رہا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ وہ پلک تک نہ جھپک پا رہی تھی۔

"تو انکو.... آپ کو.... وہ مل گئی تھی' ہے نا؟" اس کو اپنی آواز بھی سنائی نہ دیتی تھی۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ فاتح نے ہلکا سا سر کو خم دیا۔

"وہ جہاں مجھے ملی تھی' اس کے پاس سے مجھے یہ پاپ کارن ملے تھے۔ کچھ کو میں نے سنبھال لیا۔ کچھ مجھ سے کھو گئے۔"

"اور آریانہ؟" اس کا سانس اٹکا ہوا تھا۔ "آپ کی بیٹی؟"

"وہ مر چکی تھی' تالیہ۔ میں نے اسے وہیں دفنا دیا اور میں واپس چلا آیا۔" وہ گہری سانس لے کر بولا اور وہ اگلا سانس نہیں لے سکی۔

"مسز عصرہ کو معلوم ہے؟" بہت دیر بعد وہ بول پائی۔

"میں نہیں بتا سکا اسے۔"

"مگر کیوں؟" وہ دنگ رہ گئی۔

''مجھے جو درست لگا' میں نے وہ کیا۔ اس وقت میں اپنی بیٹی کی موت کو سیاسی ایشو نہیں بنا سکتا تھا۔ ہم خاندان کو سیاست سے الگ رکھنے والے لوگ ہیں۔ بہت سے لوگ خود ہی سمجھ گئے کہ وہ زندہ نہیں ہوگی۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کے بول رہا تھا۔ اسے تکلیف ہو رہی تھی۔

''نہیں۔ مسز عصرہ کو نہیں معلوم تو کسی کو نہیں معلوم۔ آپ ان کو تو بتا سکتے تھے۔''

''کیسے بتاتا؟ اور اگر بتاتا تو وہ لاش دیکھنے کی ضد کرتی۔ میں اپنی آریانہ کی وہ حالت کسی کو نہیں دکھا سکتا تھا۔'' اس کی آواز تیز ہوئی۔ ''اور عصرہ بالکل ٹوٹ جاتی۔ اس لئے میں نے اس کو ایک امید تھما دی۔ کم از کم وہ Stable تو رہے گی۔ اسے سکون تو رہے گا۔''

''ماں کو سکون کیسے آسکتا ہے بھلا؟ آپ کو انہیں بتانا چاہیے تھا۔ مرجانے والے کا سکون کھو جانے والے سے جلدی آجاتا ہے۔'' وہ شکوہ کرنے لگی۔ پٹی لپیٹتے ہاتھ وہیں اس کے ہاتھ کے اوپر ٹھہرے ہوئے تھے۔

''عصرہ کو نہ آتا۔ وہ ایک مثبت عورت نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ منفی رہتی ہے۔ میں اس کو مزید منفی پن سے بچانا چاہتا تھا۔''

''یا شاید آپ کو یہ ڈر تھا کہ وہ آپ کو الزام دیں گی۔ کیونکہ آپ کی سیاست نے یہ دن دکھایا تھا۔ اسی لئے اس روز پارٹی پہ وہ مجھے کہہ رہی تھیں کہ (اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ چار ماہ پہلے کی شام بدقت یاد آئی۔) کہ آریانہ کے بعد انہوں نے سیاست میں حصہ لینا چھوڑ دیا۔ لیکن اگر آپ نے پہلے نہیں بتایا تو اب بتا دیں۔''

''کبھی بھی نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ آنکھوں سے وہ چیز چلی گئی اور پہلے جیسی سنجیدگی واپس چھا گئی۔ ''ہماری شادی پہلے ہی بہت پیچیدہ ہو چکی ہے' میں اس میں مزید پیچیدگیاں نہیں بھر سکتا۔''

''آپ کی شادی پیچیدہ ہے؟'' وہ چونکی۔ ''کیا آپ دونوں کے درمیان مسئلے چل رہے ہیں؟''

''اس بات کو جانے دو۔ اور ہاں....'' اس نے بات بدلی۔ ''میں نے تمہارے بابا کو بتایا تھا کہ تم اس دنیا میں چور تھیں۔ اور مجھے وہ سب کہتے ہوئے اچھا نہیں لگا۔''

''مگر وہ پلان کا حصہ تھا۔ میں نے خود ہی آپ سے کہا تھا کہ ان کو بتا دیجئے گا تا کہ وہ آپ پہ بھروسہ کریں۔''

''لیکن تم.... اپنے باپ سے اپنا معاملہ درست کر لو تو اچھا ہوگا۔''

''اس کا وقت گزر چکا۔'' وہ بات کاٹ کے بولی۔ ''ویسے بھی ان کو کوئی فرق نہیں پڑتا اگر میں کسی سمندری سفر پہ جا کے کبھی واپس نہ آؤں۔'' پھر وہ ہلکا سا ہنسی۔ ''یہ جھوٹ کیوں بولا آپ نے میرے انجام کے بارے میں؟'' وہ پٹی لپیٹ کے گرہ دیتے ہوئے بولی۔ ''ایسی بے کار بات کہنے کی کیا ضرورت تھی؟''

وہ خاموشی سے اس کی جھکی نظریں دیکھے گیا' پھر نگاہیں پھیر لیں۔ گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔

''تم مجھے یہاں سے نکالنے کی فکر کرو۔ باقی باتیں چھوڑو۔'' موضوع بدل دیا تو اس نے مسکرا کے پٹی کی گرہ لگائی اور تھال سے

رومال اٹھا کے ہاتھ پونچھے۔

”جیسا کہ میں نے کہا....تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔“

اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ مدھم روشنی میں بھی اس کی چمکتی آنکھیں واضح دکھائی دیتی تھیں۔

فاتح نے بس مسکرا کے اسے دیکھا۔ زخمی قیدی کے جسم پہ جابجا پٹیاں بندھی تھیں اور رنگت زرد ہو رہی تھی لیکن پھر بھی وہ مسکرا رہا تھا۔

☆......☆......☆

ابوالخیر کی حویلی کے احاطے میں غلام معمول کے مطابق کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ سامان کندھوں پہ اٹھائے سوکھے سڑے نقاہت زدہ اجسام کے مالک غلام ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔ پھر سے کوئی تعمیراتی کام شروع تھا اور وہ جانوروں کی مانند مشقت میں لگے تھے۔ حویلی کے اندر دیوان خانے میں بڑی بڑی کھڑکیاں تھیں جن کے پردے ہٹے تھے اور خوب ساری روشنی اندر آ رہی تھی۔ سامنے خوبصورت مسہریاں رکھی تھیں جن میں سے ایک پہ ابوالخیر بیٹھا غور سے سامنے براجمان مراد راجہ کو دیکھ رہا تھا۔

مراد بظاہر پرسکون نظر آتا تھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، روشن کھڑکیوں کو دیکھتے ہوئے مسلسل ناخن سے تھوڑی کو رگڑتا ہوا....مگر جب سے وہ آیا تھا فضا میں ایسا تناؤ گھل گیا تھا کہ ابوالخیر کو بھی اب تجسس ہونے لگا تھا۔

”راجہ....سب ٹھیک تو ہے نا؟“

”بندا ہارا تمہارے مہمان خانے پہ آیا ہے تو ظاہر ہے سب ٹھیک نہیں ہے۔“ مراد نے ابرو بھینچ لئے اور ناخوشی کے عالم میں کہنے لگا۔

”عجیب مشکلات آن پڑی ہیں۔“

ابوالخیر آگے کو ہوا۔ چہرے پہ تشویش ابھری۔

”راجہ....آپ ہر مشکل میں مجھے اپنے ساتھ پائیں گے۔ بتائیے۔ کیا بات ہے۔“

”میں نے تمہیں جب وزیرِ خزانہ بنوایا تھا اور ملاکہ میں امان دی تھی حالانکہ تم پچھلے سلطان کے حامی تھے تو میں نے ایک عہد لیا تھا تم سے۔“

”مجھے یاد ہے، راجہ۔ آپ نے کہا تھا کہ اگر میں سلطان سے زیادہ آپ کا وفادار ہو جاؤں تو وقت آنے پہ آپ سلطان سے زیادہ مجھ سے وفا نبھائیں گے۔“

”اور وہ وقت آ گیا ہے، ابوالخیر۔“ مراد بھی آگے کو جھکا اور آواز دھیمی کی۔ ”ہمیں مرسل شاہ کا تخت الٹنا ہے۔“

کمرے میں ایک دم گھنا سناٹا چھا گیا۔ ابوالخیر نے بےیقینی سے ابرو اٹھایا۔ ”لیکن مرسل شاہ تو ہماری مرضی کے مطابق کام کر رہا ہے۔“

''کبھی تاریخ کی کتابیں پڑھو تو جانو گے کہ دنیا کے عظیم حکمران.... جو شاطر سے شاطر دشمن کے سامنے بھی سیسہ پلائی دیوار بن جاتے تھے.... جن کے پہاڑ جیسے ارادوں سے مکار دشمن مات کھا جاتا تھا.... اپنی ساری عقل وسمجھ کے باوجود.... ایک وقت آتا تھا جب وہ کسی عورت کے آگے گھٹنے ٹیک دیتے تھے۔ عورتوں کے فریب سے کسی کو پناہ نہیں' ابوالخیر۔ ملکہ یان سوفو اور شہزادی تاشہ.... یہ دونوں مرسل شاہ کو اپنے اپنے فریب میں الجھا کے اسے ہمارے لئے ناکارہ بنا رہی ہیں۔''

''لیکن شہزادی کی تو شادی ہونے والی ہے سلطان سے۔'' وہ متعجب ہوا۔

''اور اگر نہ ہوسکی تو مرسل میرے خون کا پیاسا ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں تم میری مدد کرو گے۔''

''میں آپ کے ساتھ ہوں' راجہ! لیکن....'' وہ رکا اور سوچنے والے انداز میں داڑھی کھجائی۔

''لیکن مجھے کیا ملے گا' راجہ؟ میری آپ سے وفاداری کا انعام؟''

مراد راجہ اٹھا' اور قبا کو ہلکا سا جھٹکا دے کے درست کیا۔ ''جس دن میں سلطان بنا' تم میرے بندا ہارا ہو گے! اور وہ دن بہت سا خون بہانے کا دن ہوگا۔''

ابوالخیر زیرِ لب مسکرایا اور ساتھ ہی کھڑا ہوا۔ ''میں آپ کے ساتھ ہوں' راجہ۔ بہت سے صوبوں کے گورنر بھی میرے ساتھ ہوں گے۔ آپ جب حکم دیں گے' ساری فوجیں آپ کے ساتھ آ کھڑی ہوں گی۔''

اب وہ دونوں کھڑکی سے آتی روشنی کے ہالے میں کھڑے تھے۔

تیز چمکتی دھوپ کا ہالہ جو جہنم کی آگ جیسا دہک رہا تھا۔

☆......☆......☆

وانگ لی کا قہوہ خانہ ''جیا'' اس دوپہر کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ وسیع ہال کمرے میں کرسیاں میزیں اور فرشی نشستیں لگی تھیں اور غلام بیٹھے کھانا کھانے میں مشغول تھے۔ وہ باتیں کرنے کی بجائے تیز تیز نوالے منہ میں ڈال رہے تھے۔

تبھی قہوہ خانے کا دروازہ کھلا تو چوکھٹ سے بہت سی روشنی اندر آئی۔ چند ایک لوگوں نے سر اٹھا کے دیکھا تو وہاں چغہ پہنے' سر پہ ٹوپی جمائے ہیولہ سا نظر آیا۔ چونکہ وہ دھوپ میں کھڑا تھا' اس لئے اس کا چہرہ واضح نہ تھا۔

پھر وہ شخص آگے بڑھنے لگا۔ میزوں کی قطار کے درمیانی راستے پہ قدم قدم چلنے لگا۔ چال سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کوئی نسوانی وجود ہے۔

بہت سی گردنیں مڑیں مگر وہ سیدھ میں چلتی آگے آئی۔ اور اس اونچے چبوترے پہ جا کھڑی ہوئی جہاں کبھی وان فاتح کھڑا ہو کے اپنی قوم کے لوگوں کو پکارا کرتا تھا۔

''کیا تم لوگوں نے اس شخص کو بھلا دیا ہے جو تمہیں اپنے لئے کھڑا ہونے کی تلقین کرتا تھا؟'' چغے کی ٹوپی پیچھے گرائی تو سنہری بالوں کے ہالے میں دمکتا چہرہ سامنے آیا۔ ماتھے پہ بل تھے اور سیاہ آنکھیں ایک سے دوسرے کی طرف سفر کر رہی تھیں۔

لوگوں کی چہ مگوئیاں دم توڑ گئیں۔ سکوت سا چھا گیا۔ نوالوں والے ہاتھ فضا میں رک گئے۔ نظریں چبوترے پہ کھڑی چغہ پوش سنہرے بالوں والی لڑکی پہ جم گئیں۔

''کیا تمہیں وہ بہادر غلام یاد ہے جو کسی انسان سے نفع نقصان کی امید نہیں رکھتا تھا؟ نہ وہ کسی سے ڈرتا تھا۔''

وہ ماتھے پہ بل ڈالے کہہ رہی تھی اور لوگ یک ٹک اسے دیکھ رہے تھے۔

(تین چاند والے جزیرے کے ساحل پہ ایڈم اور سارے سپاہی اب گروہ کی صورت بیٹھے تھے۔ سب کی نگاہیں بار بار سمندر سے خالی لوٹ آتیں تو بے اختیار ایڈم کی طرف اٹھتیں جو بہت امید سے پانی کو دیکھ رہا تھا۔)

''وہ دلیر غلام تمہارے حق کے لئے آواز اٹھانے بنداہارا کے پاس گیا تھا۔ اس نے بنداہارا سے کہا کہ مسلمان کو غلام نہیں بنایا جا سکتا اس لیے وہ تمام ناجائز غلاموں کو آزاد کر دے۔''

(مراد راجہ اور ابوالخیر ایک نیم روشن کمرے میں میز کے گرد کھڑے تھے۔ میز کی سطح پہ زرد کاغذ والا نقشہ پھیلا رکھا تھا۔ مراد انگلی جگہ جگہ رکھے نئی حکمت عملی سے اسے آگاہ کر رہا تھا۔)

''اور جانتے ہو اس کے ساتھ کیا ہوا؟ اس کو مراد راجہ نے قید کر دیا۔ اور اس کو اتنا مارا کہ اس کی ہر رگ سے خون بہنے لگا۔''

(وان فاتح خاموش اندھیر کوٹھڑی میں دیوار سے لگا بیٹھا' دیوار پہ لگی لکیروں کو دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے پہریدار کو آواز دے کر وقت پوچھا۔ جواب ملنے پہ اس نے ناخن سے ایک لکیر مزید کھینچی۔ وقت قریب آ پہنچا تھا۔)

''اب تم لوگ مفت کی وہ روٹی توڑ رہے ہو جو اس کی وجہ سے تمہیں ملی تھی۔ کیا تم نے اس کو ایک دفعہ بھی یاد نہیں کیا جو تمہارے لئے اپنی جان خطرے میں ڈال بیٹھا ہے؟''

(غلام اور کنیزیں سلطنت محل کے ایک حصے کو ازسرِ نو سجانے میں مشغول تھے۔ اپنے خاص مشیروں کے ہمراہ سلطان مرسل راہداری میں گھومتا' کمر پہ بازو باندھے' خوش باش سا تیاریوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ یہ حرم شہزادی تاشہ کے لئے آراستہ کیا جا رہا تھا۔)

''اگر وہ مر گیا تو کون تمہارے لئے دوبارہ کھڑا ہوگا؟ کون تمہارے لئے لڑے گا؟ ملاکہ کے لوگو.... تم کب تک اپنے مالکوں سے ڈرتے رہو گے؟'' چغہ پوش لڑکی تکلیف سے کہہ رہی تھی اور سب دم سادھے اس کو سن رہے تھے۔

(ساحل کی ریت پہ تھکے تھکے بیٹھے جرنیل نے شکایتی انداز میں ایڈم کو کچھ کہا مگر ایڈم جواب دینے کی بجائے ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ پانی کو دیکھ رہا تھا۔ ان سب نے بھی چونک کے اس طرف دیکھا۔ دور سمندر پہ ایک بحری جہاز کے خدوخال دکھائی دیے تھے۔)

''کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم اپنے خوف دور کر دو اور اس انسان کے لئے کھڑے ہو جاؤ جس کو تمہاری ضرورت ہے؟''

(ساحل پہ موجود سپاہیوں نے جھٹ سے لکڑیوں کو آگ لگا دی۔ شعلے جل اٹھے۔ ڈھلتی شام میں اس جہاز کو اشارہ دیا جانے لگا۔ خود ایڈم سرخ رومال ہاتھ میں لیے لہرانے لگا۔ اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ ملکہ نے وعدہ پورا کیا تھا۔ چینی بحری جہاز پہنچ چکا تھا۔)

''کیا احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ ہوتا ہے؟ کیا اپنا خیال رکھنے والے ساتھی کے لئے تم کوشش نہیں کر سکتے؟''

(جیا سے غلام نکل کے اپنے مالکوں کی حویلیوں کی طرف نہیں گئے تھے۔ وہ جوق در جوق بازاروں میں جا کے کھڑے ہو گئے تھے۔ سر ایک دوسرے کے قریب جوڑے وہ سرگوشیاں کر رہے تھے۔)

''کیا تم اس کے لئے کچھ نہیں کرو گے؟ کیا تم اس کے لئے ویسے جان نہیں مارو گے جیسے اس نے تمہارے لئے ماری؟ کیسے دوست ہو تم لوگ؟''

(غلاموں کی سرگوشیوں نے قدیم ملاکہ کی فضا میں ہلچل پیدا کر دی تھی۔ مفلوک الحال' چیتھڑوں میں ملبوس جھلسی ہوئی جلد اور سخت چہروں والے غلام دھیرے دھیرے دور دور سے اکٹھے ہو رہے تھے۔)

''دوستوں کے لئے تو جان تک دے دی جاتی ہے۔ اگر مشکل میں ایک دوسرے کے لئے وقت ہی نہیں نکالنا تو پھر کیسے دوست ہوئے تم؟''

(بنداہارا کا محل کی پہاڑی پہ واقع تھا اور سامنے سڑک تھی جو اونچی ہو کے محل تک جاتی تھی۔ سڑک کے نشیب میں دھیرے دھیرے لوگ اکٹھے ہو رہے تھے۔ مگر وہ 'لوگ' نہیں تھے۔ وہ غلام تھے۔ مضبوط جسموں والے سخت جان غلام۔)

''اپنے کن مالکوں سے ڈرتے ہو تم؟ ان سے جنہوں نے تمہیں بھوک اور ظلم تلے پیس کے رکھا ہوا ہے؟ مسلمان ہونے کے باوجود غلام بنا رکھا ہے؟ جانتے ہونا' مسلمان کو غلام نہیں بنایا جا سکتا۔ صرف غیر مسلم جنگی قیدی غلام بنتے ہیں۔''

(بنداہارا کے محل کے سامنے جمع لوگوں کے ہاتھوں میں کوئی ہتھیار نہ تھا۔ ان کے لب خاموش تھے۔ ان کی آنکھیں شاکی تھیں۔ وہ بس چاروں سمت سے آتے اس مقام پہ بیٹھ رہے تھے جہاں سے سڑک اونچی ہو کے محل تک جاتی تھی۔ سپاہی مستعد ہو گئے مگر قدرے الجھ بھی گئے۔ سامنے سڑک پہ بیٹھے بے ضرر لوگوں پہ وہ حملہ کرتے بھی تو کیسے؟)

''اگر آج تم اپنے ساتھی کے لئے نہیں کھڑے ہوئے تو کل کو تم میں سے ایک ایک کو مراد راجہ اٹھا کے اپنے قید خانے میں ڈال دے گا۔ ڈرو اس وقت سے۔''

(غلام کسی کو کچھ نہیں کہہ رہے تھے۔ وہ بس زمین پہ اکڑوں بیٹھے' گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے' خاموش نظروں سے اوپر محل کو دیکھ رہے تھے۔)

''اپنے ساتھیوں کو اکٹھا کرو اور وان فاتح کے لئے آواز بلند کرو۔ میں مراد راجہ کی بیٹی تاشہ بنتِ مراد ہوں اور میں وعدہ کرتی ہوں

کہ تمہیں کوئی سپاہی نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

(مراد راجہ نے کھڑکی سے ان غلاموں کو وہاں بیٹھے دیکھا۔ ہر پل ان کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ جیا میں جس غلام نے ایک دفعہ بھی مفت کھانا کھایا تھا' وہ وان فاتح کے لئے ادھر آ کے بیٹھ گیا تھا۔)

"میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہارے مالک بھی تمہیں نقصان نہیں دے سکیں گے۔ کیونکہ تم حق کے ساتھ ہو۔ حق کے لئے کھڑے ہونے والوں کا ساتھ ہمارا رب تعالیٰ دیتا ہے۔"

(سپاہی بے بسی سے کبھی دور بیٹھے اس خاموش ہجوم کو دیکھتے' کبھی گردنیں اوپر کر کے کھڑکی میں کھڑے راجہ کو جس کا چہرہ سرخ دہک رہا تھا۔ سپاہیوں کے ہاتھ میان پہ تھے مگر دونوں اطراف سے کوئی بھی حملے کا عندیہ نہیں دے رہا تھا۔ عجیب ہیجان سا ہیجان تھا۔)

"کیونکہ اگر آج تم نے مراد راجہ سے اس ظلم کا حساب نہ لیا تو اس کا ہاتھ نہیں رکے گا۔ خود کو کمزور سمجھنا چھوڑ دو۔"

(وہ مظلوم' کمزور لوگ چپ چاپ بیٹھے اوپر محل کی کھڑکیوں کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں نہ نفرت تھی' نہ غصہ' نہ انتقام کی آگ۔ صرف شکوہ تھا۔ وہ بلی جیسی معصوم شا کی آنکھیں تھیں جو مراد راجہ کی کھڑکیوں پہ لگی تھیں۔ اس نے زور سے کھڑکی کے پردے بند کیے اور مڑا تو پیچھے تالیہ کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں وہ سب تھا جو غلاموں کی آنکھوں میں نہ تھا۔)

"تم کمزور نہیں ہو۔ تم اس شہر کے سب سے طاقتور لوگ ہو۔ تمہیں اٹھنا ہے اپنے ساتھی کے حق کے لئے۔ تمہیں اٹھنا ہے ظلم کے خلاف۔"

(سرخ نشان والا بحری جہاز ساحل پہ لنگر انداز تھا۔ سپاہی صندوق اٹھا اٹھا کے اندر رکھ رہے تھے۔ ایڈم بن محمد عرشے پہ کھڑا مسکراتا ہوا ان کو دیکھ رہا تھا۔ ہوا سے اس کے چغے کی ٹوپی گر گئی تھی اور بال ماتھے پہ بکھر آئے تھے۔ مگر اسے وہ تازگی بھری ہوا اچھی لگ رہی تھی۔)

"اور تم یہی سوچ رہے ہو نا کہ تم لوگ آخر کیا کر سکتے ہو؟ تو میں تمہیں بتاتی ہوں کہ کس طرح تم مراد راجہ کے سارے محل کو ہلا کے رکھ سکتے ہو۔ نہ کسی تیر سے نہ تلوار سے۔ صرف اپنی ایک چپ سے۔"

☆......☆......☆

مراد نے کھڑکی کا پردہ زور سے جھٹکا اور تیوریاں چڑھائے پلٹا تو سامنے تالیہ کھڑی تھی۔ سینے پہ بازو لپیٹے وہ سرد نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا خوبصورت منظر ہے' بابا۔"

"تم نے..... تم نے کیا ہے یہ سب؟ تین دن شہر کے قہوہ خانوں میں جا کے میرے خلاف بولتی رہی ہو تم۔" مراد دانت پیس کے غصے سے بولا تو تالیہ نے کندھے اچکائے۔

''اس سے فرق نہیں پڑتا کہ میں نے کیا کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اب آگے کیا ہونے جا رہا ہے۔''

''ہٹاؤ ان لوگوں کو یہاں سے۔ ابھی اسی وقت۔'' وہ سرخ بھبھوکا چہرے کے ساتھ بولا۔

''میں تو ان کو نہیں ہٹا سکتی۔ یہ اپنی مرضی سے آئے ہیں' اپنی مرضی سے جائیں گے۔''

''ہٹاؤ ان کو ورنہ محل کی چھت پہ بیٹھے تیر انداز ان کو چھلنی کر دیں گے۔''

''کن کو چھلنی کر دیں گے؟ ان غلاموں کو جو شہر کے رؤساء اور امراء کے سارے کام کرتے ہیں؟ ایسی غلطی مت کیجئے گا بابا۔ کیونکہ آج دوپہر سے ملاکہ کی اکثر اونچی حویلیاں خالی ہو چکی ہیں۔ مالک پریشان ہیں اور غلام غائب ہیں۔'' وہ چبا چبا کے کہہ رہی تھی۔

''غلام ہر معاشرے کا سب سے اہم رکن ہوتا ہے' بابا۔ ارے آپ حکمران لوگ تو ہل کے پانی نہیں پی سکتے۔ ایسے میں یہ لوگ اگر بنا بتائے اپنی حویلیاں چھوڑ دیں تو سارے امراء گھٹنے ٹیک دیتے ہیں۔''

''میں ان بے وقوف پنچ لوگوں سے نہیں ڈرتا۔ کتنی دیر بیٹھ سکتے ہیں یہ یہاں؟ ہاں؟''

''آپ بھول گئے ہیں۔ یہ غلام ہیں۔ عام عوام نہیں۔ ان کو کئی کئی دن کھانا نہیں ملتا۔ ان سے سخت سے سخت موسم میں بھی کام کروایا جاتا ہے۔ بھوک اور موسم کی سختی ان پہ اثر نہیں کرتی۔ یہ تب تک یہاں بیٹھیں گے جب تک آپ وان فاتح کو کرسی پیش نہیں کرتے۔''

''میں... ان سے... نہیں ڈرتا۔'' وہ بے بسی بھرے غصے سے مٹھیاں بھینچ کے بولا۔ تالیہ نے پھر شانے اچکائے۔

''مگر آپ رؤساء اور امراء سے ڈرتے ہیں جو ابھی اپنے غلاموں کی خبر لینے یہاں پہنچ جائیں گے۔ سب پوچھیں گے کہ آخر وان فاتح کون ہے؟ سلطان تک بھی خبر جائے گی۔ وہ بھی شک میں پڑ جائے گا کہ اس غلام کو قید کیوں کیا گیا تھا آخر؟ کیا جواب دیں گے سب کو؟ یہی کہ اس نے شہزادی تاشہ سے نکاح کر لیا تھا' اس لئے؟''

''تم!'' مارے ضبط کے مراد نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

''وقت کم ہے' بابا۔ اور وقت ہی سارے مسئلوں کا حل ہے۔ وان فاتح کو کرسی پیش کریں اور اس سے پوچھیں کہ وہ کیا چاہتا ہے۔'' پھر بازو سینے سے ہٹائے اور سر جھکا کے تعظیم پیش کی۔ ''راجہ!'' اور مسکرا کے مڑ گئی۔

مراد راجہ خون کے گھونٹ پی کے رہ گیا۔

کھڑکی تلے دور نیچے بیٹھے غلاموں کے ہجوم کی خاموشی اس کے کانوں میں صور کی صورت گونج رہی تھی۔

☆......☆......☆

ملاکہ کی بندرگاہ پہ سرخ جھنڈے والا بحری جہاز لنگرانداز ہو چکا تھا۔ سمندر دوپہر کے اس وقت پرسکون لگتا تھا۔ پانی دھوپ میں چمک رہا تھا اور بندرگاہ پہ روانہ ہوتے قافلوں کا شور معمول کے مطابق تھا۔

ایسے میں چینی بحری جہاز کے عرشے کے اوپر ایڈم بن محمد کھڑا تھا۔ دونوں ہاتھ پہلوؤں پہ جمائے' وہ گردن اٹھائے دور تک پھیلا ملاکہ شہر دیکھ رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا اس کے بالوں سے سرسراتی ہوئی گزر رہی تھی۔

اس کے سپاہی عقب میں مستعد سے کھڑے تھے۔ جب وہ ان کو اشارہ کرے گا تو وہ 'اپنے' صندوق نیچے اتاریں گے' مگر ایڈم کو پہلے خود ایک اشارے کی ضرورت تھی۔ اس کی کھوجتی نگاہیں ایک سے دوسرے سے ہوتیں ہجوم میں الجھی تھیں اور تبھی وہ اسے نظر آ گئی۔

سادہ بھورے رنگ کی باجو کرنگ میں ملبوس' وہ سر پہ مفلر کی طرح دوپٹہ لپیٹے مسکراتی ہوئی بحری جہاز کے زینے چڑھ رہی تھی۔ اسے دیکھ کے ایڈم بھی مسکرایا۔ اپنی راجھدانی میں ہونے کے باوجود وہ آج سادہ نظر آ رہی تھی۔

ایڈم نے پل بھر کو پلکیں موندیں اور سات دن پہلے کی وہ دوپہر یاد کی جب وہ تینوں جیا کی بالائی منزل کے ہال نما کمرے میں ملے تھے۔ کونے کی میز کے گرد بیٹھے انہوں نے سارا منصوبہ ترتیب دیا تھا۔

''تم دونوں تین چاند والا جزیرہ ڈھونڈو گے اور اس کی طرف جاؤ گے۔ تالیہ... تم اپنے بہترین اور وفادار سپاہی ساتھ لے کر جاؤ گی جن کے خاندان تمہارے پاس محل میں ہوں گے تا کہ وہ خزانہ دیکھ کے تمہیں مارنے کی بجائے بحفاظت واپس لانے پہ مجبور رہیں۔'' سفید کرتے پاجامے میں ملبوس وان فاتح سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ درمیان میں نقشہ پھیلا رکھا تھا۔

''جزیرے پہ کچھ تو ہمارا منتظر ہوگا۔'' ایڈم کو تشویش ہوئی۔

''جو بھی ہو' تم اس سے لڑنا اور خزانے کو نکال لانا۔ ایڈم کشتی پہ واپس آ جائے گا اور تالیہ وہیں رہے گی۔ جہاز چین سے روانہ ہو چکا ہے وہاں پہنچنے میں چند دن لگیں گے۔ تمہیں صبر سے اس کا انتظار کرنا ہے۔''

''پلان سی!'' تالیہ نے کسی شاگرد کی طرح ہاتھ اٹھا کے اجازت مانگی تو دونوں اسے دیکھنے لگے۔

''اگر وہاں جا کے مجھے کوئی برا احساس ہوا تو میں ایڈم کو چھوڑ کے واپس آ جاؤں گی۔''

''مجھے پہلے ہی آپ سے یہی امید تھی کہ آپ مجھے چھوڑ کے آنے کا بہانہ ڈھونڈ رہی ہیں۔'' ایڈم خفا ہوا تو تالیہ نے اسے گھورا۔

''میں اس لئے کہہ رہی ہوں کہ جلد یا بدیر راجہ کو وان فاتح کا علم ہو جائے گا۔ ملکہ بھی کوئی حرکت کر سکتی ہے۔ ایسی صورت میں میرا یہاں ہونا زیادہ ضروری ہے۔ ایک دفعہ خزانہ مل جائے تو تمہیں میری ضرورت نہیں ہو گی۔''

''میں اکیلا کیسے.....؟''

''ایڈم!'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔ ''کب تک تم لیڈ ہوتے رہو گے؟ اب وقت آ گیا ہے کہ تم اپنے فیصلے خود کرو اور بڑی بڑی مہموں پہ نکلنا خود سیکھو۔''

ایڈم نے بس ایک خفا نظر تالیہ پہ ڈالی اور پھر فاتح کو دیکھا۔

''اور اگر ملکہ نے جہاز نہ بھیجا تو؟''

''ایڈم ٹھیک کہہ رہا ہے' تو انکو۔ کیا ہمیں اس بات پہ یقین کر لینا چاہیے کہ ملکہ ہماری مدد کرے گی؟''

''بالکل نہیں کرنا چاہیے۔'' وہ اطمینان سے بولا۔ ''ملکہ کا ہم سے کیا رشتہ ہے جو وہ ہماری مدد کرے گی۔'' وہ دونوں اس کی شکل دیکھنے لگے تو وہ توقف سے بولا۔

''مگر ہمیں اتنا یقین ہے کہ ملکہ مراد راجہ کو نقصان پہنچانے کا موقع نہیں گنوائے گی۔ ملکہ ہماری بھی دشمن ہے مگر ہمیں اس کے اوپر اپنے اعتبار کو نہیں ماپنا۔ ہم نے اس کی مراد راجہ سے نفرت کو ناپ کے فیصلے کرنے ہیں۔''

''دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے۔ میں سمجھ گئی!'' تالیہ نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ''ملکہ ضرور جہاز بھیجے گی اور ہم سارا سونا لے بھی آئیں گے۔ اس کے بعد؟''

''امید ہے تب تک مراد سے میرا تعارف ہو چکا ہوگا۔ اس وقت تک اس کی ساری طاقت ختم ہو چکی ہوگی۔ میں اس کو مجبور کروں گا کہ وہ ہمیں واپس جانے دے۔''

''اور وہ سونا۔'' ایڈم فوراً بولا تو تالیہ نے اسے دیکھا۔

''سونا ملاکہ کے لوگوں کی ملکیت ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں وہ شہر کے سارے غریب لوگوں میں بلا تفریق بانٹ دینا چاہیے تا کہ وہ اس سے اپنی زندگیاں سنوار سکیں۔ میں صحیح کہہ رہی ہوں نا تو انکو۔''

''سونا ملاکہ کے لوگوں کا ہے اور اس کا فائدہ لوگوں کو ہی ملنا چاہیے۔'' اس نے رسان سے کہا تو تالیہ مسکرا دی۔ ایڈم کو بھی سن کے بھلا معلوم ہوا۔

''لیکن سر...'' پھر اسے خیال گزرا۔ ''آپ راجہ کو کیسے مجبور کریں گے کہ وہ ہمیں واپس جانے دیں۔''

''جس دن تم جہاز لے کر واپس آؤ گے' تم خود جان لو گے۔'' اس نے بھی مسکرا کے تسلی دی۔ اور جیا کی وہ پراسراریت بھری فضا میں ڈوبی دوپہر دھندلی ہوتی گئی۔

''امانت داری سے واپس لے آئے سب کچھ؟'' تالیہ کی بات پہ چونکا۔ وہ اب عرشے تک آ چکی تھی۔ ایڈم سنبھل کے مسکرایا۔ وہ بحری جہاز کے عرشے پہ کھڑا تھا اور تالیہ سیڑھیاں چڑھتی اوپر آ رہی تھی۔

''آپ تو شاید میرا تابوت دیکھنے کی دعا کر رہی تھیں۔''

''اگر تمہارے لئے میری دعائیں پوری ہوتیں تو آج تمہارے جنازے کو چار ماہ بیت چکے ہوتے۔'' وہ اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔ عرشے کے کناروں پہ لوہے کی ریلنگ لگی تھی۔ تالیہ نے اسے تھام لیا اور سمندر کے پانی کو دیکھنے لگی۔

''حالات کیسے ہیں؟'' وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''جیسے ہم نے سوچے تھے۔اب بہت جلد مراد راجہ گھٹنے ٹیک دے گا۔''

''شکر۔اور یہ سارا سونا ہم ملاکہ کے غریبوں میں بانٹ دیں گے۔ مجھے یہ سب کر کے بالکل رابن ہُڈ والی فیلنگ آ رہی ہے۔وہ بھی اسی طرح خوش ہوتا ہوگا۔''

تالیہ ہنس دی۔''رابن ہُڈ ایک چور تھا۔''

''مگر وہ غریبوں میں اپنی چوری بانٹ دیتا تھا۔چور چور میں فرق ہوتا ہے۔''

وہ دونوں عرشے کی ریلنگ کے ساتھ آمنے سامنے کھڑے تھے اور نیچے ایک طرف سمندر پھیلا تھا' دوسری طرف ساحل پہ کشتیوں' ملاحوں اور مسافروں کا ہجوم دکھائی دیتا تھا۔وہ جواب میں پھر سے ہنسی تو ایڈم بولا۔

''آپ رابن ہُڈ کو چھوڑیں' اپنے وان فاتح کی سنائیں۔آپ کی ضرورت پڑی ان کو یا نہیں؟''

تالیہ نے جواباً بے نیازی سے شانے اچکائے۔''شہزادی جیسی تاشہ نے ایک غلام سے شادی کی تھی اور اسے آزاد کر دیا تھا۔سو میں نے بھی انہیں آزاد کروا ہی دیا۔تقریباً۔'' پھر چونکی۔''تاشہ کی نظم!'' کچھ یاد آیا۔''وہ تو میں نے لکھی ہی نہیں۔''

''وہ جو آپ نے خواب میں سن باؤ کے گھر لکھی دیکھی تھی۔''

''ہاں وہی۔وہ تو میں نے ابھی لکھنی تھی۔''

''تو جا کے لکھ لیں۔''

تالیہ نے پھر گومگوں نظروں سے اسے دیکھا۔''مگر ضروری تو نہیں کہ وہ نظم میں نے ہی لکھی ہو۔اور کیا ضرورت ہے مجھے اسے لکھنے کی۔''

''درست کہا۔جو تاریخ میں ہو چکا ہے' وہ کسی وجہ سے ہوا ہے۔آپ زبردستی حالات کا رخ نہیں موڑ سکتیں۔'' پھر وہ ساحل کی طرف دیکھنے لگا جہاں چینی فوجیوں کا قافلہ آتا دکھائی دے رہا تھا۔ان کے ہمراہ گھوڑا گاڑیوں کی ایک قطار تھی۔ایڈم نے گہری سانس لی۔

''آخری مرحلہ شروع ہو چکا ہے۔'' تالیہ نے چونک کے اس طرف دیکھا۔

ایڈم اب سپاہیوں کی طرف بڑھ گیا تھا۔اسے بہت سی ہدایات جاری کرنی تھیں۔

☆......☆......☆

عصر کا وقت ہوا تو بنداہارا کے محل پہ ٹھنڈی چھایا اتر آئی۔دیوان خانے کی اونچی کھڑکیوں کے پردے ہٹے تھے اور اندر ایک میز کے گرد دو کرسیاں رکھی دکھائی دیتی تھیں۔دونوں خالی تھیں۔

مراد راجہ دیوار سے ٹیک لگائے' ہاتھ میں ننھا سا حقہ تھامے کھڑا تھا۔ وقفے وقفے سے وہ حقے کی نال لبوں میں دباتا اور گڑگڑاہٹ سے تمبا کو اندر کھینچتا۔ پھر نال ہٹا کے منہ سے دھواں باہر نکالتا۔ دھوئیں کے مرغولے بنتے ہوئے فضا میں تیرنے لگتے۔ وہ بظاہر پرسکون لگتا تھا مگر کبھی کبھی چہرے پہ اضطراب دکھائی دینے لگتا جسے وہ مسلسل چھپانے کی سعی کر رہا تھا۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور دو سپاہی وان فاتح کے ہمراہ اندر داخل ہوئے۔ اس نے اب پاجامے پہ خاکی کرتا پہن رکھا تھا۔ آستین پورے تھے اور ہاتھ کی پٹیاں نظر آتی تھیں۔ کنپٹی کے زخم اور سر کے زخم پہ لیپ شدہ دوا سوکھ چکی تھی۔ کوئی زنجیر نہیں' کوئی ہتھکڑی نہیں۔

اس کے چہرے کے تاثرات ہموار تھے۔ پرسکون۔ ٹھنڈے۔ سپاہی چلے گئے تو اس نے بس نگاہیں گھما کے اس خالی خالی سے کمرے کو دیکھا' پھر نظر کرسی میز پہ ٹھہری۔ لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔

''ہماری دنیا میں جب کوئی مذاکرات کرنے پہ راضی ہو جائے تو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ فلاں میز پہ آمنے سامنے بیٹھنے کو تیار ہے۔''

وہ محظوظ سا بولا۔ مراد راجہ نے کھڑکی سے ٹیک لگائے' شکاری نظریں اس پہ جمائے' حقے کا کش لیا اور حقہ کھڑکی کی منڈیر پہ رکھا۔ پھر سر کے خم سے اشارہ کیا۔

''کرسی حاضر ہے۔ تم بیٹھو۔''

فاتح نے مدھم مسکراہٹ کے ساتھ پیشکش قبول کی اور کرسی کھینچ کے بیٹھا۔ پھر ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔ ''تم بھی بیٹھو' راجہ۔''

''تمہارے بیٹھنے کی بات ہوئی تھی' میرے نہیں۔'' وہ وہیں ٹیک لگائے کھڑا رہا۔

''اوہ۔ تم مجھے اپنے برابر کا نہیں سمجھتے۔ خیر۔'' اس نے سادگی سے شانے اچکائے۔ اس کی چھوٹی خوبصورت آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی۔

''اس ہجوم کے بارے میں تو سن لیا ہو گا تم نے۔'' مراد راجہ نے کھڑکی سے نیچے نظر آتے لوگوں کی طرف اشارہ کیا تو کرسی پہ بیٹھے فاتح نے سر کو خم دیا۔

''میں ایک عرصہ ان لوگوں کو ان کے اپنے لئے کھڑا ہونے کی ترغیب دیتا رہا' مگر کمزور لوگ شاید اپنے لئے کھڑے نہ بھی ہوں تو اس کے لئے ضرور ہوتے ہیں جس سے وہ محبت کرتے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ کم از کم یہ لوگ کھڑے تو ہوئے۔''

مراد نے حقہ اٹھایا اور غور سے دور بیٹھے فاتح کی آنکھوں میں دیکھا۔

''ان لوگوں کو یہاں سے بھیجنے کا کیا لو گے؟''

''یقیناً ان کے مالک تمہیں تنگ کر رہے ہوں گے۔ جلد سلطان کو خبر ملنے والی ہو گی۔ لیکن یہ لوگ تمہارا مسئلہ نہیں ہیں۔ تمہارا

مسئلہ آج دو پہر ملاکہ کی بندرگاہ پہ لنگر انداز ہوا ہے۔"

مراد چونکا۔ ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔"کیا مطلب؟"

"ہم نے تین چاند والا جزیرہ ڈھونڈ لیا ہے' اور تمہارا پالتو وحشی درندہ مار کے تمہارا خزانہ بحفاظت ملاکہ لے آئے ہیں۔"

مراد لمحے بھر کو ششدر رہ گیا۔ پلک تک نہ جھپک سکا۔

"وہ خزانہ چینی بحری جہاز پہ آیا ہے۔ اور اسے چینی سفارتخانے نے بھیجا گیا ہے۔ بظاہر وہ چین سے آئے قرضے کے سکوں سے بھرے صندوق ہیں لیکن ان میں سے اکیس صندوق تمہارے ہیں۔"

مراد ایک دم تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا' مگر پھر رک گیا۔

"یہی سوچ کے رکے ہونا کہ چینی سفارتخانے پہ حملہ نہیں کروا سکتے تم! میں نے بھی یہی سوچ کے چینی جہاز میں سامان لانے کو کہا تھا۔ بالفرض تم چینی سفارتخانے پہ حملہ کروا بھی دو تو اپنی فوج اور سلطان کو کیا وجہ بتاؤ گے؟ تم خزانے کی حقیقت کھولنے کے متحمل نہیں ہو۔"

مراد کے قدم زنجیر ہو گئے۔ وہ کمرے کے وسط میں مجسمے کی طرح کھڑا فاتح کو دیکھنے لگا' اس حالت میں کہ اس کی رنگت متغیر ہو رہی تھی۔

"یان سوفو...وہ تمہارے ساتھ شریک تھی۔ ہے نا!" اسے سارا کھیل سمجھ میں آ رہا تھا۔

"آگے کا سوچو' راجہ۔ اگر تم ہر خطرہ مول لے کر چینی سفارتخانے پہ حملہ کر بھی دو تو جانتے ہو سفارتکاروں کو مارنا کتنا سنگین جرم ہے؟ وہ بھی اس دور میں جب کہ تمہاری ملکہ چینی ہے؟ نہیں مراد راجہ۔ تم چین سے جنگ چھیڑنے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔" اس کی آنکھیں سرخ پڑنے لگیں مگر آواز میں نہ کوئی غراہٹ تھی' نہ گرج۔ اس کے قدموں تلے سے زمین سرک چکی تھی۔

"تم جانتے ہو میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ شہزادی تاشہ جنوبی محل نہیں گئی تھی۔ وہ جزیرے پہ گئی تھی اور ملاکہ کے لوگوں کی امانت واپس لے آئی ہے۔"

چند لمحے کمرے میں ہولناک خاموشی چھائی رہی۔ مراد راجہ بت بنا کھڑا بے یقینی اور غیض وغضب سے اسے دیکھے گیا جو مطمئن سا کرسی پہ بیٹھا تھا۔

"تم....کیا چاہتے ہو؟"

"میں تمہیں چند راستے دکھانا چاہتا ہوں! اگر تم نے سفارتخانے پہ حملہ کروایا تو سلطان کو ناراض کر دو گے اور چین سے جنگ چھڑ جائے گی۔ اگر تم نے ان لوگوں کو محل کے سامنے سے نہ ہٹایا تو سلطان کو علم ہو جائے گا کہ تم نے کسی غلام کو قید کر رکھا ہے۔ بات کھلے گی اور

میرے اور تالیہ کے نکاح کے بارے میں سب کو علم ہو جائے گا۔اس نکاح کے گواہ بھی ہیں اور ثبوت بھی۔اس کے بعد سلطان تمہیں جان سے مارنے کا حکم بھی دے سکتا ہے۔اور اگر اس سب سے پہلے تم نے مجھے مار دیا تو نہ صرف تمہاری بیٹی تم سے نفرت کرے گی بلکہ تمہارے پاس خزانے کے بارے میں مذاکرات کرنے کے لئے کوئی نہیں بچے گا۔"

"تم....کیا چاہتے ہو؟"

"میں جانتا ہوں اب تک تم نے سلطان سے بغاوت کرنے کا سوچ لیا ہوگا۔اپنی خفیہ فوجیں بھی تیار کر رکھی ہوں گی کیونکہ تم جانتے ہو اب تالیہ اور سلطان کی شادی ممکن نہیں ہے۔تمہیں اس وقت 'خطرے' کو سامنے سے ہٹانا ہے۔اور میں سب سے بڑا خطرہ ہوں۔اصولاً تمہیں میری جان لے لینی چاہیے مگر یہ ناممکن ہے اس لئے تم ایک کام کرو۔"

"تمہیں چابی دے دوں تاکہ تم واپس چلے جاؤ؟" وہ طنز سے بولا۔

"صرف میں نہیں۔تالیہ میرے ساتھ جائے گی۔جب ہم دونوں غائب ہو جائیں گے تو تم سلطان کو کوئی بھی وجہ بتا کے ٹال سکتے ہو۔ملکہ نکاح والی بات دہرا بھی دے تو تم کہہ سکتے ہو کہ یہ جھوٹ ہے کیونکہ دونوں منکوح تو ملاکہ سے جا چکے ہوں گے۔تالیہ چلی جائے تو ملکہ بھی مزید اس معاملے کو نہیں کریدے گی۔تم بنداہارا رہو گے اور حکومت کرو گے۔ہاں اگر ہمارے جاتے ہی سلطان تمہارے خلاف ہو گیا تو تم بغاوت کر کے تخت پہ قبضہ کر سکتے ہو۔اس سارے مسئلے کا حل ہم دونوں کے یہاں سے چلے جانے میں ہے۔" وہ روانی سے بتا رہا تھا۔

مراد کے وجود میں حرکت ہوئی۔وہ قدم قدم چلتا فاتح کے سامنے آیا اور مقابل رکھی خالی کرسی کی پشت پہ ہاتھ رکھے جھکا۔

"تالیہ....میری....بیٹی ہے۔میں اسے نہیں جانے دوں گا۔"

"وہ تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔اسے جلد یا بدیر یہ دنیا چھوڑ کے جانا ہی ہے۔اور ہمارے یہ مذاکرات تب ہی کامیاب ہوں گے جب تم تالیہ کو میرے ساتھ بھیجو گے۔"

مراد خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھتا ضبط سے گہرے سانس لیتا رہا۔

"اور خزانہ؟ اس کو غریبوں میں بانٹ دو گے کیا؟" انداز میں تحقیر اور استہزاء تھا۔

"تالیہ یہی چاہتی ہے کہ اسے غریبوں میں بانٹ دیا جائے۔" وہ ٹھہرا۔

مراد مزید اس کی طرف جھکا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"مگر تم تالیہ نہیں ہو۔تم لامتناہی کھیل کھیلنے والے آدمی ہو اور تمہارے کھیل میں حدود و قیود اپنی مرضی سے بدلی جا سکتی ہیں۔تم بتاؤ خزانے کا کیا کرنا چاہتے ہو۔"

کرسی پہ بیٹھا وان فاتح بن رامزل مسکرایا۔

''ہاں میں تالیہ نہیں ہوں۔اس لئے میں اور تم خزانے کے بارے میں ایک معاہدہ کر سکتے ہیں۔''

مراد کے لبوں پہ استہزائیہ مسکراہٹ بکھری۔

''تم بالکل میرے جیسے ہو۔وہی طاقت کی ہوس' وہی اپنی ذات کی پرستش!''

''مرادراجہ!'' اس نے مراد کی بات نظر انداز کی۔''میں تمہیں سارا خزانہ واپس کر سکتا ہوں اگر تم ملاکہ کے تمام ناجائز غلاموں کو آزادی دلوادو۔''

مراد کے ابرو تن گئے۔''وہ کیسے؟''

''تم ملک میں قانون بنادو کہ صرف غیر مسلم جنگی قیدی کو غلام بنایا جا سکے گا۔ساری دنیا میں مسلمانوں کا یہی اصول ہے۔مسلمان کو غلام نہیں بنایا جاتا۔اس وقت ملاکہ کے چند بڑے رئیسوں کے پاس بہت سے ایسے غلام ہیں جو مسلمان ہیں اور اغوا کر کے جبراً ان کو غلام بنایا گیا ہے۔اب تم ان کے مالکوں کو ان کی قیمت ادا کر و یا ان کو ڈراؤ دھمکاؤ' جس وقت وہ غلام آزاد ہو جائیں گے میں تمہارا خزانہ واپس کر دوں گا۔ملاکہ کے لوگوں کی دولت لوگوں کے ہی کام آنی چاہیے۔''

''اور پھر میں تمہیں چابی دے دوں اور تمہیں یہاں سے جانے دوں؟'' وہ طنز سے بولا۔

''ہاں۔ورنہ سلطان کو اس نکاح کی خبر ہو جائے گی اور تمہاری مشکلات بڑھ جائیں گی۔لیکن اگر تم میری بات مان لو تو تم بدستور حکمرانی کرتے رہو گے اور مزید جزیروں پہ اپنا مال چھپاتے رہو گے۔میں تمہیں بدعنوانی کرنے اور لوگوں کا مال لوٹنے سے نہیں روک سکتا' لیکن میں اپنے اور تالیہ کے لئے بقا کا راستہ ڈھونڈ سکتا ہوں۔''

چند لمحے وہ اسے خاموشی سے دیکھتا رہا' جیسے ذہن میں جمع تفریق کر رہا ہو۔پھر آہستہ سے بولا۔

''تم چلے جاؤ۔میں تمہیں چابی دے دوں گا۔لیکن تالیہ کو مت لے کر جاؤ۔وہ گئی تو واپس نہیں آئے گی۔''

''تم نے اسے خود اپنے اعمال سے کھویا ہے۔وہ تمہارے کردار سے نفرت کرتی ہے۔تمہاری طاقت کی ہوس' تمہاری چالبازیاں....'' پھر سر جھٹکا۔''خیر' اس کے بغیر ہمارا کوئی معاہدہ مکمل نہیں ہوگا۔''

مراد نے گہرا ہنکارا بھرا۔''مجھے سوچنے دو۔''

''وقت کم ہے' مراد۔اور یہ سارے کھیل وقت کے ہی ہیں۔''

''کچھ دیر....مجھے کچھ دیر سوچنے دو۔'' اس نے بے بسی بھری ناگواری سے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا اور پھر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

مراد سیدھا اپنے کمرے میں گیا تھا۔سارے دروازے کھڑکیاں بند کر کے وہ زمین پہ بدھا کے انداز میں آلتی پالتی کر کے بیٹھا اور سرخ پٹی اتار پھینکی۔پھر آنکھیں بند کر لیں۔ساری آوازوں اور سوچوں کو ذہن سے جھٹک دیا۔دماغ کو ایک نکتے پہ مرکوز کیا۔

اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا اور لب بڑبڑا رہے تھے۔

''میں مراد راجہ ہوں۔ ملاکہ سلطنت کا بنداہارا۔ مجھے کوئی یوں نہیں ہرا سکتا۔ کوئی مجھ سے میرا تخت اور میری بیٹی نہیں چھین سکتا۔''

مغرب ڈھل گئی اور باہر بیٹھے لوگ اسی طرح بھوکے پیاسے بیٹھے رہے۔ ان کو بلانے کے لئے آنے والے ان کے مالکوں کے وفادار غلام بھی گھوڑوں پہ آئے سامنے کھڑے تھے۔ انہوں نے بہت پکارا' غصہ کیا' آوازیں دیں' مگر وہ غلام ٹس سے مس نہ ہوئے۔ وہ بس محل کی اونچی کھڑکیوں کو دیکھتے رہے اور لبوں پہ چپ کی مہر لگی رہی۔

وان فاتح کرسی پہ بیٹھا کھڑکی کے باہر آسمان پہ چھاتی سیاہی دیکھ رہا تھا۔ کافی وقت بیت چکا تھا اور مراد واپس نہیں آیا تھا۔

اسے ذرا فکر ہوئی مگر اس نے اعصاب کو ٹھنڈا رکھا۔

مغرب اتر آئی تو دروازہ کھلا اور مراد اندر داخل ہوا۔ آتے ساتھ ہی اس نے دروازہ بند کیا اور کھڑکیوں کے آگے پردے جھٹک کے برابر کیے۔ پھر فاتح کے سامنے آیا۔ سرخ پٹی ماتھے سے غائب تھی اور ہاتھ میں ایک بوتل تھی۔ اس نے بوتل میز پہ رکھی تو فاتح نے دیکھا۔ اس کے پیندے میں سکہ اور ڈلی پڑی تھی۔ ٹوٹی ہوئی چابی۔

مراد کا چہرہ وہ نہیں تھا جو پہلے تھا۔ وہ پرسکون نظر آتا تھا۔ مسکرا بھی رہا تھا۔ پھر اس نے کرسی کھینچی اور سامنے بیٹھا۔ دونوں ہاتھ میز پہ جما کے اس کی طرف جھکا۔

''میں تمہاری دنیا کے باسیوں کی طرح میز پہ آنے کو تیار ہوں۔''

وان فاتح نہیں مسکرایا۔ کچھ عجیب سا تھا' مراد راجہ کی مسکان میں جو اسے غیر آرام دہ کر رہا تھا۔

''کیا فیصلہ کیا تم نے؟'' وہ بظاہر ٹھنڈا رہا۔

''میں نے ابوالخیر اور تمام رؤساء کو پیغام بھیج دیا ہے۔ چند ساعتیں پہلے انہوں نے تمام ناجائز غلام آزاد کر دیے ہیں۔ حکم نامے تحریری طور پہ تھوڑی دیر میں آ جائیں گے۔''

''تم نے ان کو رقم ادا کی؟''

''میں ان کا بنداہارا ہوں۔ میرے احسان ہیں ان پہ۔ اور تم جانتے ہو میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ ناجائز غلام آزاد ہیں۔ وہ کل صبح سے اپنی نئی زندگی شروع کریں گے۔''

''مجھے تمہاری بات پہ یقین ہے۔''

''اس کے علاوہ یہ رہی چابی۔ تم مجھے سونا واپس کر دو اور اپنی دنیا میں چلے جاؤ۔ تالیہ کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ مجھے تمہاری ہر بات منظور ہے۔''

''کیا واقعی!''اس نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے بنداہارا کا چہرہ دیکھا۔

''ہاں۔سونا میرے پاس آجائے گا۔میں نے جان لیا ہے کہ میں تالیہ کو زبردستی یہاں نہیں رکھ سکتا۔وہ بھی آزاد ہے۔تم دونوں جا سکتے ہو۔''

''اور ابھی تم ''مگر'' کہنے والے ہو،ہے نا'راجہ!''وہ غور سے اس کی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔

مراد راجہ مسکرایا۔''مگر....''زور دے کے بولا۔''مگر میری ایک شرط ہے۔''

فاتح نے گہری سانس لی۔''شرط ماننے یا نہ ماننے کا فیصلہ میں کروں گا۔''

''نہ ماننے کی صورت میں'میں بغاوت کر دوں گا' جب چینی ملکہ ملک بدر ہو جائے گی تو چینی سفارتخانے کا ڈرکس کو ہوگا۔تم میرے قیدی رہو گے۔تالیہ مجبوراً یہاں رہے گی اور سونا اور تخت میرا ہوگا۔''

''راجہ تم اتنا خون خرابہ نہیں کرانا چاہتے میں جانتا ہوں۔''

''میں یہ کر سکتا ہوں مگر واقعی کرنا نہیں چاہتا۔اس لیے تم میری شرط مان لو اور یہ چابی اٹھا کے یہاں سے چلے جاؤ۔''مراد کی مسکراہٹ گہری ہو چکی تھی اور شکاری آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔

''کیا شرط ہے تمہاری؟''اس کے اعصاب تن رہے تھے۔کچھ بہت غیر آرام دہ سا تھا اس ماحول میں۔

راجہ نے حقہ اٹھا کے کش بھرا۔پھر نال ہٹائی اور دھوئیں کا مرغولہ لبوں سے چھوڑا۔مرغولے فضا میں اوپر کو اٹھتے گئے۔

تمباکو کی خوشبو اور سلگتے انگاروں کی مہک آپس میں گھل مل گئی۔

پھر مراد راجہ نے کہنا شروع کیا۔

☆......☆......☆

چینی سفارتخانے کے نام پہ بنی حویلیاں سن باؤ کی حویلی کے دائیں بائیں واقع تھیں۔آج وہاں بھاری چینی فوج تعینات تھی۔ اکثریت ان چینی افسران کی تھی جو ملکہ یان سوفو کی شادی کے وقت ساتھ آئے تھے اور یہیں بس گئے تھے۔

سونے سے بھرے صندوق اندر رکھوائے جا چکے تھے اور سن باؤ کے سرخ دروازے کے باہر ایڈم اور تالیہ متفکر سے کھڑے تھے۔ ابھی ابھی ایک چینی سفارتکار نے آ کے اطلاع دی تھی کہ بنداہارا کی حویلی کے سامنے اکٹھے ہوئے غلام وہاں سے اٹھ گئے ہیں۔

''کیا وہ تھک گئے تھے؟''ایڈم نے پریشانی سے سوال کیا۔

''نہیں۔راجہ نے اس قیدی فاتح کو باہر بھیجا اور اس نے ان کو اٹھنے کے لئے کہہ دیا۔مگر وہ غلام اپنے مالکوں کے پاس نہیں گئے۔ راجہ نے نیا قانون نافذ کر دیا ہے جس کے تحت ناجائز مسلمان غلام آزاد ہیں۔اب وہ غلام ملاکہ کی گلیوں میں خوشیاں مناتے پھر رہے

ہیں۔اوران کی زبان پہ ایک ہی نعرہ ہے کہ شہزادی تاشہ کی سفارش پہ ان کوآزاد کروایا گیا ہے۔“

سفارتکار یہ کہہ کے وہاں سے ہٹ گیا تو تالیہ نے گہری سانس لی۔

”یعنی وان فاتح نے غلاموں کوآزادکروادیا۔مگر تم اپنی کتاب میں لکھنا کہ یہ سب شہزادی تاشہ نے کروایا ہے۔“

”جی میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں۔جہاں اتنے جھوٹ بولے وہاں ایک اورسہی۔“

”اور یہ بھی لکھنا کہ....“

”شہزادی صاحبہ اب دیر ہو چکی ہے۔میں اپنی کتاب مکمل کر کے شاہی کتب خانے کے منتظم کو دے آیا ہوں۔اب اس میں ایک ہی صورت میں اضافہ ہوسکتا ہے اگر آپ دونوں مجھے ملاکہ میں چھوڑ جائیں۔“وہ جل کے بولا تھا۔

چند ساعتیں گزریں تو تالیہ نے فکرمندی سے سڑک کو دیکھا جو اندھیر پڑی تھی۔

”وان فاتح کہاں رہ گئے؟ان کو اس وقت یہاں ہونا چاہیے تھا۔معلوم نہیں راجہ سے مذاکرات کامیاب ہوئے یا نہیں۔“

اس کی بات منہ میں رہ گئی۔دورافق سے دھول اڑتی دکھائی دی تھی۔وہ چونکی۔

آس پاس تعینات چینی سپاہی بھی چوکنے ہوئے۔

سڑک پہ تیز گھوڑے دوڑتے آرہے تھے۔گھوڑا گاڑیوں کے پہیوں کی آواز....چینی سپاہیوں نے تلواریں نکال لیں۔

قافلہ قریب آیا اور چاند کی روشنی میں نظر آیا....مرادراجہ سب سے آگے والے گھوڑے پہ تھا۔اوردوسرے گھوڑے پہ فاتح بیٹھا تھا۔

تالیہ اورایڈم نے ایک دوسرے کو دیکھا۔یہ پلان کا حصہ نہیں تھا۔

”یہ یہاں کیوں آیا ہے؟“سن باؤساتھ آکھڑا ہوا اور پریشانی سے بولا۔ہاتھ نیام کی تلوار پہ تھا۔

”وانگ لی“۔گھوڑے پہ بیٹھے فاتح نے ہاتھ اٹھا کے ان کو تھم جانے کا اشارہ کیا‘ اوراپنا گھوڑا قریب لایا‘ پھر نیچے اترا۔تالیہ نے گردن اٹھا کے شاکی نظروں سے مرادراجہ کو دیکھا۔اس نے ماتھے پہ سرخ پٹی باندھ رکھی تھی اور لمبے بال کندھوں پہ گر رہے تھے۔وہ بھی تالیہ کو ہی دیکھ رہا تھا۔تالیہ نے نظریں پھیرلیں۔

”وانگ لی۔“فاتح نے ان دونوں کو نظرانداز کر کے سن باؤ کو مخاطب کیا۔”مرادراجہ کے اکیس صندوق اس کے حوالے کردو۔“

ایڈم کا منہ کھل گیا۔

تالیہ شل رہ گئی۔

سن باؤ بھی چونکا۔”مگر....“

”یہ میرا فیصلہ ہے۔اورتم سب کو یہ ماننا ہوگا۔“وہ قطعیت سے کہہ رہا تھا۔

''مگر وہ تو غرباء کے لئے....'' تالیہ نے بولنا چاہا تو فاتح نے ہاتھ اٹھا کے اسے خاموش کرا دیا۔

''اس کے بدلے میں تمام غلام آزاد ہو گئے ہیں۔ سونے کے چند سکے ہر شخص کے حصے میں آئیں' اس سے بہتر یہ نہیں کہ انہیں آزادی مل جائے؟ میں نے جو کیا ہے وہ ملاکہ کے لوگوں کی بہتری کے لئے کیا ہے۔ میں نے غلاموں سے آزادی اور تم دونوں سے واپسی کا وعدہ کیا تھا۔ کسی کی غربت مٹانے کا نہیں۔ اس لئے مجھے میرے وعدے نبھانے دو۔''

کچھ تھا جو اس کے انداز میں بدل گیا تھا۔ سختی' سنجیدگی۔ کوئی سایہ سا تھا جو چہرے پہ آن پڑا تھا۔

ایڈم یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا' البتہ تالیہ نے سر ہلا دیا۔ ''جو آپ کو مناسب لگے' تو انکو!

''مگر.... ملکہ نے تو....'' سن باؤ نے سرگوشی میں احتجاجاً فاتح سے کچھ کہنا چاہا مگر اس نے سختی سے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔

''میں ملکہ کا غلام نہیں ہوں۔ سلطان کو دوسری ملکہ نہیں لانے دوں گا۔ یہ وعدہ کیا تھا میں نے۔ مراد راجہ کو تباہ کرنے کا نہیں۔ اس لئے.... راجہ کے صندوق واپس کر دو۔''

غلام حکم دے رہا تھا۔ پٹی بندھا ہاتھ اٹھا کے اشارہ کر کے کہہ رہا تھا۔ سن باؤ نے گہری سانس لی اور سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ کوئی بعید نہیں یہ غلام سلطان کو جا کے کہہ دے کہ اس سازش میں ملکہ بھی شریک تھی۔ ایسی صورت میں سارا کھیل پلٹ جاتا۔ مراد کے ساتھ آئے سپاہی ان حویلیوں کی طرف چلے گئے۔ سن باؤ بھی ساتھ ہو لیا۔ البتہ بار بار ناخوشی سے پلٹ کے ان کو دیکھتا ضرور تھا۔

ایڈم گم صم کھڑا تھا۔ تالیہ خاموش تھی۔ فاتح حویلیوں کی سمت دیکھ رہا تھا۔ اور گھوڑے پہ بیٹھا راجہ ان تینوں کو۔

''تو یہ شاہی مورخ بھی تمہارے ساتھ آیا تھا؟'' اس نے براہِ راست تالیہ کو مخاطب کیا تو اس نے خفا سی نظریں اٹھائیں۔

''ہمارا آنا آپ کا مسئلہ نہیں ہے۔ ہم کیسے جائیں گے' کیوں نا اس بارے میں بات کر لی جائے۔'' وہ برہمی سے بولی تو فاتح نے اس کو دیکھا۔

''راجہ نے مجھے چابی دے دی ہے۔'' ساتھ ہی کرتے کے گریبان کے اندر سے سنہری زنجیر نکال کے دکھائی جس میں ڈلی اور سکہ دونوں کو جوڑ کے بنی چابی پروئی تھی۔

تالیہ نے چونک کے باپ کو دیکھا جو مدھم سا مسکرا رہا تھا۔

''تم جاؤ تالیہ۔ یہ چابی تمہیں خود راستہ دکھا دے گی۔ تمہیں اسی جنگل میں جانا ہے جہاں سے تم آئے تھے۔''

''ہم تینوں.... جا سکتے ہیں؟'' وہ حیران تھی۔ بار بار فاتح کو دیکھتی۔ جیسے ابھی وہ کوئی ''مگر'' کہے گا لیکن وہ سنجیدہ رہا۔

''مراد راجہ درست کہہ رہا ہے۔ ہم ابھی یہاں سے روانہ ہو رہے ہیں۔ سونا لینا اور سلطان سے بات کرنا' یہ سب مراد راجہ کا کام

ہے۔کیا تمہیں محل سے کچھ اٹھانا ہے؟'' عام سے انداز میں رک کے تالیہ کی طرف دیکھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''مجھے کچھ نہیں چاہیے۔میں لعنت بھیجتی ہوں بنداہارا کے اونچے محل پہ۔'' تنفر سے بولی تو فاتح نے سر ہلا دیا۔

''پھر آؤ۔ ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔'' وہ گھوڑے کی طرف بڑھ گیا۔ ایڈم کو بھی اشارہ کیا تو وہ بھی گم صم سا ساتھ ہو لیا۔

ذرا فاصلے پہ فاتح کے گھوڑے کے ساتھ دو مزید تازہ دم گھوڑے تیار کھڑے تھے۔ ان پہ کھانے پینے کا مناسب سامان بھی لدا تھا۔

وہ اپنے گھوڑے پہ سوار ہو رہا تھا جب ایڈم پیچھے سے شاکی انداز میں بولا۔

''تو آپ نے وہی کیا جو سیاستدان کرتے ہیں۔ آپ نے ڈیل کر لی۔'' وہ ابھی تک سُن تھا۔

وان فاتح رکاب پہ پیر رکھ کے اوپر چڑھا اور گھوڑے کی لگام تھامے سرسری سا ایڈم کو دیکھا۔ ''میں نے اس سے زیادہ کا وعدہ نہیں کیا تھا۔'' اور پھر دل میں سوچا۔

(تم کیا جانو میں نے کیا قربان کیا ہے۔)

''مگر ہمیں ملاکہ کے لوگوں کے سامنے راجہ کی بدعنوانی کا پول کھولنا تھا۔ ہمیں.....''

''ہمیں صرف واپس جانا تھا' ایڈم۔ ہمیں اپنی اصل زندگیاں واپس چاہیے تھیں۔ اس دنیا میں ہمارا کوئی ہدف نہیں تھا۔ ہم لامتناہی کھلاڑی تھے۔ بس۔ اس لئے خوش ہونا سیکھو۔ تم واپس جا رہے ہو۔'' وہ رعب سے بولا تو ایڈم نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔ مگر اس نے محسوس کیا کہ فاتح اس سے نظر نہیں ملا رہا تھا۔

ادھر مراد گھوڑے سے اترا اور تالیہ کے سامنے آیا۔ وہ ہنوز سلوٹ زدہ پیشانی لئے کھڑی تھی۔ چہرے پہ خفگی اور الجھن تھی۔

''تم نے اس غلام سے نکاح کر کے میرے پاس کوئی راستہ نہیں چھوڑا' تالیہ۔'' وہ اس کے سامنے کھڑا املال سے کہہ رہا تھا۔

''آپ اپنے ہی لوگوں سے دھوکہ کرنے والے ایک بدعنوان آدمی ہیں' بابا۔ آپ نے مجھے محل میں قید کر رکھا تھا۔ آپ کی چابی نے مجھ سے میری دنیا چھین لی۔ مجھے ابھی بھی آپ پہ شک ہے۔''

''کیا شک ہے؟'' وہ پرسکون سا اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''یہی کہ آپ مجھے کسی طرح اس دنیا میں روکنے کی کوشش کریں گے۔''

''نہیں۔ میں تمہیں اپنی مرضی سے جانے دے رہا ہوں کیونکہ....'' وہ آگے بڑھا' اس کے کندھوں کو نرمی سے تھاما اور اس کی سیاہ آنکھوں میں جھانکا۔ ''کیونکہ مجھے یقین ہے' تم واپس ضرور آؤ گی۔''

تالیہ نے زور سے اس کے ہاتھ جھٹکے۔ اسے مراد راجہ پہ بری طرح سے غصہ آیا تھا۔

''تالیہ واپس کبھی نہیں آئے گی۔ مجھے آپ کا محل' آپ کی دولت اور آپ کی طاقت نہیں چاہیے۔ مجھے اپنی عام سی دنیا واپس

چاہیے۔ میں اسی میں خوش تھی، بابا۔"

اور ساتھ سے گزر کے آگے نکل گئی۔ اس کا گھوڑا تیار تھا۔ ایڈم اور فاتح گھوڑوں پہ بیٹھے اس کے منتظر تھے۔ تالیہ اپنے گھوڑے پہ چڑھی اور تیزی سے اس کا رخ موڑ دیا۔

"میں تمہارا انتظار کروں گا، تالیہ۔" عقب میں کھڑا مراد کمر پہ ہاتھ باندھے، پرسکون سا گردن اٹھائے ان تینوں کو اندھیر سڑک پہ آگے بڑھتے دیکھ رہا تھا۔

تالیہ نے مڑ کے دیکھا تک نہیں۔

مڑ کے دیکھنے والے نمک کے مجسمے بن جاتے ہیں۔

البتہ وان فاتح نے گردن موڑ کے ایک خاموش نظر مراد پہ ڈالی اور سر کو ہلکا سا خم دیا۔ یہ تشکر تھا، یا کسی سمجھوتے کا اشارہ۔ وہ غور سے اس کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔ وہ چپ چپ لگتا تھا اور اس کی ازلی امید بھری چمک آنکھوں سے غائب تھی۔

"ہمیں اس طرف جانا ہے۔" فاتح اپنا گھوڑا سب سے آگے لے گیا۔ وہ اب راستہ بتا رہا تھا اور وہ دونوں اس کی پیروی کر رہے تھے۔

ایڈم اداس لگتا تھا۔ وہ ایک بدعنوان حکمران کا پردہ فاش نہیں کر سکا تھا۔

اوپر چمکتا چاند.... تارے.... اور اندھیر سڑک پہ دوڑتے تین گھوڑے۔ بظاہر سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ مگر فضا میں کچھ تھا جو بھاری اور مہلک سا محسوس ہوتا تھا۔

Cesium سے زیادہ مہلک۔

☆......☆......☆

جس جنگل سے نکلنے میں ان کو چار دن لگے تھے، راستہ معلوم ہونے کی وجہ سے وہ اس جنگل کے اندر تین دن میں پہنچ گئے۔ فاتح اس دوران زیادہ تر خاموش رہا تھا۔ ایڈم کا موڈ بدستور بہتر ہوتا آیا، اور تالیہ بھی جلد نارمل ہو گئی۔ بلکہ جیسے جیسے سفر گزرتا جا رہا تھا، وہ پر جوش ہوتی جا رہی تھی۔

"واؤ... ہم بالآخر واپس جا رہے ہیں۔"

"ہم واقعی واپس جا رہے ہیں نا، سر؟" وہ رات کو جنگل کے اندر اپنے اپنے بستر بنا رہے تھے جب ایڈم نے پھر سے پوچھا۔ گھنے رین فاریسٹ کے اونچے درخت خاموشی سے اس قطعے کو دیکھ رہے تھے جہاں خشک پتے گرے تھے اور فاتح ایک درخت کے ساتھ کھڑا رسیوں کا جھولا سا باندھ رہا تھا۔ آستین پیچھے کو چڑھائے وہ سنجیدگی سے اپنا کام کر رہا تھا۔ ایڈم کے سوال پہ محض اتنا بولا۔

"تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے کیا؟"

''آپ پہ ہے۔مگر اپنے باپا پہ نہیں ہے۔'' وہ جو مقابل درخت کے ساتھ اپنے بستر کو باندھ رہی تھی' مداخلت کرتے ہوئے بولی۔

''وہ تمہارا باپ ہے' تالیہ۔ اس کو تم سے محبت ہے۔'' وہ کام جاری رکھے ہوئے تھا۔ دونوں کی ایک دوسرے کی طرف پشت تھی اور وہ کام میں لگے تھے۔ ایڈم درمیان میں پتھر پہ بیٹھا باری باری دونوں کو دیکھتا تھا۔

''مگر مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں وہ آخر میں ہم میں سے کسی کو روک نہ لیں۔ یا پتہ نہیں کیا....مگر باپا ایسا ضرور کچھ نہ کر دیں جس سے ہمیں نقصان ہو۔'' پھر چونک کے اس کی طرف پلٹی۔

''انہوں نے اس ساری ڈیل میں کوئی ''کیچ'' تو نہیں رکھا نا؟ کوئی شرط؟ کوئی....کوئی ضرر دینے والی بات۔'' اس کی الجھن ختم نہیں ہو رہی تھی۔

فاتح کے رسیاں کستے ہاتھ تھمے۔ صرف ایک پل کو۔ پھر اس نے کام جاری رکھا اور عام سے انداز میں بولا۔ ''میں نے کہا نا' ہم صحیح سلامت واپس پہنچ جائیں گے تو تم اتنی وہمی کیوں ہو رہی ہو؟''

''تو آپ اتنے چپ چپ کیوں ہیں۔''

''کیونکہ میں آگے کا سوچ رہا ہوں۔ مجھے ایک دنیا کو اپنی گمشدگی کے متعلق جواب دینے ہوں گے۔ چار ماہ چھوٹا عرصہ نہیں ہوتا۔'' اس نے جھولا مکمل کر لیا تھا۔ پھر ایک کپڑا سامان سے نکالا' اسے جھاڑا اور رسیوں کے پنگھوڑے پہ ڈالا۔ اس بار جنگل میں پچھلی دفعہ کی طرح کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی کیونکہ سامان ان کے پاس تھا۔

''آپ فکر مت کریں' تو انکو۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔''

فاتح نے پلٹ کے ایک اچٹتی نگاہ اس پہ ڈالی۔ ''وان فاتح کو کسی کے ساتھ کی ضرورت نہیں پڑی کبھی' تالیہ۔''

شاید وہ ویسا ہی بے نیاز تھا جیسا ہمیشہ ہوتا تھا۔ شاید یہ سب اس کا وہم تھا۔ اس نے بس شانے اچکا دیے اور واپس اپنا بستر بنانے لگی۔

''مراد راجہ اب کیا کرے گا' سر؟ سلطان کو بیٹی کی گمشدگی کی خبر کیسے دے گا؟ کیا بہانہ کرے گا؟''

''ایڈم یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔ ہمیں صرف اپنی نجات کے بارے میں سوچنا ہے۔ اور یہ تم ہی تھے جو چار ماہ سے واپس جانے کے لئے شکایتیں کر رہے تھے۔ اب جب تمہیں راستہ مل رہا ہے تو بہتر ہے کہ ملاکہ کے ہیرو نہ بن سکنے کے غم کو بھول کے تم اپنے ماں باپ اور اپنی منگیتر کا سوچو۔''

وہ ایک دم یوں جھڑک کے بولا تو ایڈم کے چہرے کے سارے زاویے درست ہو گئے۔ اس نے جلدی سے سر ہلایا۔ ''جی سر۔''

فاتح اپنے بستر پہ لیٹ گیا۔ دو درختوں کے درمیان فضا میں جھولتا رسیوں کا جھولا۔ اور اس نے ان کی طرف سے کروٹ موڑ لی۔

وہ درختوں کے درمیان خالی جگہ تھی جہاں چاند کی روشنی مدھم سی پہنچ پا رہی تھی۔ جانوروں کے بولنے اور کیڑوں کے رینگنے کی آوازوں کے

ساتھ ساتھ دور کسی جھرنے کے بہتے پانی کی آواز بھی آ رہی تھی۔

کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔ تالیہ چپ چاپ کام کرتی رہی اور ایڈم پتھر پہ بیٹھا سوچتا رہا۔ پھر اس نے تالیہ کو مخاطب کیا۔ ''آپ جاتے ہوئے اپنے بابا سے کیا کہہ رہی تھیں؟''

''یہی کہ میں ان کے محل اور دولت پہ لعنت بھیجتی ہوں۔''

''جی اور اسی لئے آپ نے اپنے کپڑوں میں جو پوٹلی چھپا رکھی ہے اس میں اچھے خاصے سونے' ہیرے اور جواہرات جڑے زیورات موجود ہیں۔'' وہ تین دن سے جس راز کو دبائے پھر رہا تھا' آج اگلے بنا رہ نہ سکا۔ تالیہ نے پلٹ کے کینہ توز نظروں سے اسے دیکھا۔

''جائز اور حلال زیورات ہیں وہ۔ شہزادیوں کا حق ہوتا ہے۔ چوری کر کے نہیں لے جا رہی۔'' کپڑا جھٹک کے بستر پہ بچھاتے ہوئے وہ بولی تو ہاتھ کی سرخ انگوٹھی چمکی۔

''میں کب کہہ رہا ہوں کہ ناجائز ہیں؟ صرف اتنا کہہ رہا ہوں کہ اتنی جلدی محل اور دولت پہ لعنت بھیجنے والی نہیں ہیں آپ۔'' تنک کے بولا اور اپنا بستر بنانے اٹھ کھڑا ہوا۔ تالیہ خفگی سے کچھ بڑبڑاتی درخت کی طرف مڑ گئی۔

بالآخر ان کے درمیان تناؤ والی فضا ختم ہو رہی تھی۔ بالآخر تالیہ کو یقین آنے لگا تھا کہ سب ٹھیک ہے اور فاتح اس سے کچھ نہیں چھپا رہا۔

ان کی طرف سے کروٹ موڑے فاتح کو اپنے سرہانے کھڑی اداس سی آریانہ دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھتی وہ فکرمندی سے اس کی طرف جھکی۔

''یہ آپ نے کیا کر دیا' ڈیڈ؟'' اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ''اتنا بڑا فیصلہ اکیلے کر دیا۔ ان دونوں کو بتایا ہی نہیں۔ جب ان کو معلوم ہوگا تو کیا ہوگا؟''

''آریانہ۔'' وہ اس کو دیکھتے ہوئے اداسی سے بڑبڑایا۔ ''میں ان کے برابر کا نہیں ہوں۔ انہوں نے ہمیشہ مجھے اپنے سے اوپر رکھا ہے۔ اور Its very lonely at the Top''

پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ جنگل کی ساری سیاہی ان آنکھوں میں سمو گئی اور دل بھی اندر تک اندھیر ہو گیا۔

☆......☆......☆

رات کا جانے کون سا پہر تھا جب دو درختوں کے درمیان بندھے جھولے نما بستر پہ سوئی تالیہ کی آنکھ کھلی۔

نرم سا لحاف اس نے چہرے سے اتارا اور پلکیں چند بار جھپکائیں۔ وہ چت لیٹی تھی سو اونچے درختوں کے آسمان کو چھوتے سرے نظر آ رہے تھے۔ مدھم چاندنی کہیں کہیں سے جھانک رہی تھی۔

پھر اس نے گردن چوکنے انداز میں موڑی۔

فاتح ایک پتھر زمین پہ کھینچتا اس کے جھولے کے قریب لا رہا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھنے لگی تو اس نے ہاتھ اٹھا کے روکا۔

''شش شش.....ریلیکس!'' اور پتھر قریب لا کے سیدھا ہوا۔ پھر اس پہ بیٹھا' یوں کہ تالیہ کی طرف رخ تھا۔ وہ دھیرے سے اٹھ بیٹھی۔ گرم لحاف اپنے گرد لپیٹے رکھا۔ جھولا ذرا سا جھولنے لگا' پھر ساکن ہو گیا۔

''کیا ہوا' فاتح صاحب؟'' تالیہ نے بال کان کے پیچھے اڑستے ہوئے مندی مندی آنکھوں سے دیکھا۔ وہ ہاتھ میں کچھ اٹھائے ہوئے تھا۔ ساتھ ہی مانوس سی خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی۔ چاکلیٹ۔

''مجھے نیند نہیں آ رہی تھی تو جنگل میں آگے نکل گیا۔ وہاں کوکو کا درخت تھا۔ سوچا تمہارے لئے لے آؤں۔ یاد ہے تمہاری سالگرہ پہ تمہیں یہ بہت لذیذ لگا تھا۔'' وہ پتھر پہ بیٹھا' مسکرا کے کہتا چاقو سے پھل کاٹ رہا تھا۔ وہ بھی دھیرے سے مسکرا دی۔

''آپ کو یاد تھا۔'' ہاتھ بڑھایا تو فاتح نے پھل اسے تھماتے ہوئے چہرہ اٹھایا۔ وہ قدرے تھکا تھکا لگ رہا تھا مگر لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ تین دن کی خاموشی کے بعد آج وہ' وہ فاتح لگا تھا جو اسی جنگل میں چار ماہ پہلے اس کو تسلی دیتا تھا اور ہمت دلاتا تھا۔

''ظاہر ہے مجھے یاد تھا۔'' وہ ہنوز مسکرا رہا تھا۔ آواز دھیمی تھی۔

''یہ اب بھی لذیذ ہے۔'' اس نے انگلی کٹے پھل کے پیالے میں ڈالی اور گودا منہ میں رکھا تو لذیذ رس اندر تک گھل گیا۔ وہ بس مسکرا کے اسے کھاتے ہوئے دیکھنے لگا۔

''تالیہ!'' پھر نرمی سے پکارا۔ ''ان چار ماہ میں تمہارے خیال میں تمہارے اندر کیا تبدیلی آئی ہے؟''

''چار پانچ کلو وزن بڑھا ہے میرا۔ اور ہاں چند جنگی امور کی تربیت لی ہے میں نے۔ شاہی آداب دیکھے ہیں۔ ہر روز ڈھیروں زیورات خود پہ لا دلینے کی مشق کی ہے اور....''

''تالیہ!'' اس نے نرمی سے ٹوکا۔ ''باہر نہیں' تمہارے اندر کیا تبدیلی آئی ہے؟ تم نے کیا سیکھا ہے؟''

اس نے گودے بھری انگلی لبوں پہ رکھ کے نکالی اور سوچا۔ ''پتہ نہیں' تو انکو۔ شاید کچھ بھی نہیں سیکھا۔ اب بھی دولت کی وہی حرص ہے مجھے۔ اتنے زیورات ساتھ لائی ہوں۔ خزانہ اب بھی چاہیے مجھے۔ ہاں کوشش کروں گی کہ پرانی روش چھوڑ کے نئی زندگی شروع کروں۔''

''جب میں تمہیں چھوڑ دوں گا (تالیہ کی پلکیں جھکیں مگر پھر اس نے ان کو اٹھا لیا اور مسکراتی رہی) تو تم کیا کرو گی؟''

''میں شاید امریکہ چلی جاؤں۔ اپنے سارے جائز مال و دولت کے ساتھ اور بطور آرٹسٹ ایک نئی زندگی شروع کر لوں۔'' پھر ٹھہری۔ پھل والا ہاتھ نیچے کر لیا۔

اندھیری رات میں وہ لحاف میں لپٹی جھولے پہ بیٹھی تھی اور وہ سامنے پتھر پہ بیٹھا اس کو دیکھ رہا تھا۔

''میں جانتی ہوں ہم نے یہ نکاح صرف مراد راجہ کو بلیک میل کرنے کے لئے کیا تھا' ورنہ وہ زبردستی میری شادی سلطان سے کر

دیتا۔ اور اب ہم اس کو ختم کر دیں گے۔ لیکن.... میں چاہوں گی کہ ہم اچھے دوست رہیں۔ میں چھٹیوں میں ملائیشیا آنا چاہوں گی اور بھلے آپ وزیرِ اعظم بھی بن جائیں' آپ ایڈم اور میرے لئے ہمیشہ وقت نکالا کریں گے۔ سال میں ایک دو مرتبہ ہم تینوں مل بیٹھ کے ان دنوں کو یاد کیا کریں گے۔ ٹھیک ہے نا' تو انکو۔''

''میں بھی چاہتا ہوں کہ ایسا ہی ہو۔ مگر میں ایک اور بات اس سے زیادہ چاہتا ہوں۔'' وہ نرمی سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ تالیہ نے ابرو بھینچ کے اسے حیرت سے دیکھا۔ ''وہ کیا؟''

''تمہاری حقیقت جاننے سے قبل میں تمہیں تاشہ کہا کرتا تھا۔ اسی جنگل میں' میں نے تمہیں پہلی دفعہ تالیہ کہنا شروع کیا تھا۔ جس لڑکی کو میں تاشہ کہہ کے بلاتا تھا وہ میرے لئے ایک ناقابلِ بھروسہ' بے ایمان اور اداکارہ قسم کی عام سوشلائیٹ تھی۔ مگر جب میں نے تمہیں جانا.... کہ تمہارا پیشہ کیا ہے اور تم ہی حالم ہو' تو میں نے تمہیں تمہارے اصل نام سے پکارنا شروع کیا۔ پھر کبھی تاشہ نہیں کہا۔ کبھی تمہیں شہزادی نہیں سمجھا۔ کیونکہ اتنا زیور لاد کے' تاج اور زرتار لباس پہن کے بھی تم میرے لئے وہی تالیہ تھیں جو میری دنیا کی باسی تھی۔ لیکن اس روز....'' وہ ٹھہرا۔ وہ بنا پلک جھپکے اس کو دیکھ رہی تھی۔ ''اس روز قید خانے میں جب تم سپاہیوں پہ غرائیں تو میں نے تمہاری وہ آواز سنی جو پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔''

وہ ذرا سی شرمندہ ہوئی۔ فوراً وضاحت دینا چاہی۔ ''وہ تو میں غصے میں...''

''نہیں تالیہ۔ مجھے برا نہیں لگا تھا۔ بلکہ مجھے اچھا لگا تھا۔ جانتی ہو کیوں؟''

وہ تعجب سے اسے دیکھنے لگی۔ ''کیوں؟''

''کیونکہ بنا کسی تاج اور شاہی لباس کے.... اس دن تم مجھے شہزادی لگی تھیں۔ وہ تمہارا اصل روپ تھا۔ تمہارا رائیل سیلف۔ تم مجھے تو انکو کہتی ہو۔ ہماری دنیا میں اس لفظ کا مطلب My Boss ہوتا ہے۔.... لیکن اس وقت میں نے جانا تھا کہ تمہارا اصل مقام ایک باس کا مقام ہے۔ تم نے ان چار ماہ میں اپنے اصل روپ کو دریافت کر لیا ہے' تالیہ۔ تم ایک شہزادی ہو۔ ایک دانا شہزادی۔ تم روپ بدل بدل کے تنگو کامل کی ملازمہ یا کوئی ویٹرس یا کوئی سطحی سوشلائیٹ بننے کے لئے پیدا نہیں ہوئی تھیں۔ تم یہ بہروپ اس لئے بناتی ہو' سچ اس لئے نہیں بول سکتیں کیونکہ تم نے اپنے اصل کو کبھی دریافت ہی نہیں کیا تھا۔''

وہ ٹکٹکی باندھ کے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں یہ چاہتا ہوں کہ تم نے ان چار ماہ میں جو سیکھا ہے' اس کو ضائع مت کرو۔ واپس جا کے تم اس کو اپنی زندگی پہ لاگو کرنا۔ پھر تمہیں کسی چیز کا خوف سچ سے دور نہیں کرے گا۔ تم اپنے ساتھ سچی ہو جاؤ گی۔ تمہیں اپنے اوپر ملمع چڑھانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ کیونکہ تمہیں اپنے اصل روپ پہ اعتماد آ جائے گا۔ میں اس تالیہ کو کے ایل میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں جو قید خانے کے سپاہیوں پہ غرا رہی تھی۔ ان کو ظلم کرنے سے روک رہی تھی۔ یہی چیز تمہاری سب سے بڑی طاقت ہوگی۔ تالیہ تمہیں کسی 'خزانے' کسی زیور کی ضرورت نہیں ہے۔ تم

نے صرف وہی بننا ہے جو تم اس قدیم ملاکہ میں تھیں۔''

''مجھے آپ کی باتیں سمجھ نہیں آ رہیں۔ میں چوری کرنا چھوڑ کے نئی زندگی شروع....''اس نے کہنا چاہا مگر....

''ایک وقت آئے گا جب تمہیں میری باتیں یاد آئیں گی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس وقت اس رات کو یاد کرنا۔ تم یاد کرنا کہ میں تمہیں ایسی ہی تالیہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ شہزادی تاشہ جیسی تالیہ۔ صرف تاشہ جیسی نہیں۔ بلکہ کسی باس کی طرح۔ نڈر اور جراءت مند۔ اور اس وقت اگر کوئی تمہارے اس روپ کو پسند نہ کرے تو تم اس کی پرواہ نہیں کرو گی۔ چاہے تمہیں ناپسند کرنے والوں میں' میں ہی کیوں نہ شامل ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔''اس نے نیم رضامندی سے سر ہلایا۔''میں اپنے اصل سے نہیں بھاگوں گی۔''

''اور ایڈم....''اس نے گردن موڑ کے دور سوتے ایڈم کو دیکھا۔''اس نے اس دنیا سے یہ سیکھا ہے کہ انسان کو اپنی خوشی اپنے اندر خود ڈھونڈنی ہوتی ہے۔ بجائے دوسروں کے پیچھے بھاگتے رہنے اور دوسروں کی رائے پہ انحصار کرنے کے' انسان کو اپنی ذات پہ اعتماد کرنا سیکھنا ہوتا ہے۔ ہم اپنے سب سے اچھے دوست اور سب سے اچھے جج خود ہوتے ہیں۔ کوشش کرنا کہ تم ایڈم سے رابطے میں رہو اور اس کو بیساکھیوں کے بغیر اپنے قدموں پہ چلنا سکھاتی رہو۔ تمہیں اور اسے اس دنیا سے سیکھے اسباق بھولنے نہیں چاہئیں۔''

پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا تو تالیہ نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔''ہم اچھے دوست تو رہیں گے نا' فاتح صاحب؟''یونہی اس کو نام سے پکار دیا۔

''میں ایسا ہی چاہتا ہوں کہ ہم ہمیشہ اچھے دوست رہیں۔''وہ مسکرا کے پلٹا تو وہ پکار اٹھی۔

''اور آپ نے کیا سیکھا؟''

اس اندھیر رات میں درختوں کے ساتھ کھڑا فاتح ٹھہر گیا۔

پھر آہستہ سے مڑا اور سادگی سے مسکرا کے تالیہ کو دیکھا۔

''کچھ بھی نہیں۔ میں جیسا تھا ویسا رہوں گا۔''

''ظاہر ہے۔''تالیہ نے گہری سانس لے کر شانے اچکائے۔''آپ سیلبرٹی ہیں' پرفیکٹ ہیں۔ آپ میں خامیاں کیسے ہو سکتی ہیں جن کو اصلاح کی ضرورت ہو؟''نروٹھے پن سے بولی تو اس نے جواب نہیں دیا۔

''آپ کا والٹ میرے پاس ہے۔ اس میں وہ پاپ کارن بھی ہیں۔''

''وہ تم رکھ لو۔ اس وقت تک جب تک میں اسے واپس نہیں مانگتا۔''وہ مبہم انداز میں کہتا اپنے بستر کی طرف بڑھ گیا۔ تالیہ بھی واپس لیٹ گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔

کروٹ موڑ کے لیٹے ایڈم کی آنکھیں کھلی تھیں اور اس نے حرف حرف سنا تھا۔

''وان فاتح یہ سب مجھے ڈائریکٹ بھی کہہ سکتے تھے' پھر چے تالیہ کو کیوں کہا کہ وہ مجھے کہیں۔ تین دن سے سر مجھے اگنور کر رہے ہیں۔ ہونہہ۔''اس نے خفگی سے آنکھیں بند کی تھیں۔ اسے سو جانا چاہیے تھا۔

صبح انہوں نے ''دروازے'' کی طرف سفر کرنا تھا۔

☆......☆......☆

جنگل پہ صبح اتری تو گھنے درختوں نے دیکھا' تین مسافر قطار میں چلتے جا رہے تھے۔ سب سے آگے چلنے والے مرد کی گردن میں سنہری چابی لٹک رہی تھی جو اس کو راستہ دکھا رہی تھی۔ گھوڑے وہ جنگل سے باہر چھوڑ آئے تھے اور اب پیدل تھے۔ چہروں پہ مٹی لگی تھی' اور لباس میلا ہو رہا تھا مگر وہ چل رہے تھے۔

ہر اٹھتے قدم کے ساتھ تالیہ کو ان چار ماہ کا گزرا ایک ایک پل یاد آ رہا تھا۔

(چار ماہ قبل وہ کے ایل میں سن باؤ کے گھر کے صحن میں کھڑے تھے۔ زمین میں ڈھکن سا کھل گیا تھا اور نیچے سیڑھیاں جا رہی تھیں۔ فاتح مشکوک سا تالیہ کو برہمی سے دیکھ رہا تھا اور وہ خزانے کی طمع میں زینے اتر رہی تھی۔)

جنگل میں وہ تینوں اس مقام تک پہنچے تو فاتح نے گردن سے زنجیر اتاری اور سنہری چابی زمین پہ رکھی۔ ایک دم ہوا چلی اور سوکھے پتے اڑتے گئے۔ جگہ خالی ہوتی گئی۔ وہاں ایک لکڑی کا ڈھکن نظر آنے لگا۔

(وہ رین فاریسٹ کی غار میں کھڑی تھی۔ ساکن ساکت۔ اس کے سر کے اوپر سانپ تھا جس کو فاتح چاقو سے مار رہا تھا۔ سانپ کی گردن کٹ کے گر گئی۔ وہ خوف سے اسے دیکھ رہی تھی۔)

پتے ہٹ گئے اور ڈھکن صاف نظر آنے لگا۔ وان فاتح نے تیزی سے ڈھکن کھولا۔ نیچے زینہ سا بنا تھا۔ ان تینوں نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔ تالیہ کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔ خوشی اندر باہر بھرنے لگی۔

(وہ تینوں جنگل میں بیٹھے تھے۔ درختوں کی چھایا تلے اور وہ ہرن کی گردن پہ چاقو پھیر رہی تھی۔ خون کے چھینٹے وان فاتح کے اوپر آ گرے تھے۔)

وہ قدم بہ قدم زینے اترنے لگے۔ ایڈم بار بار دیواروں کو ہاتھ لگا کے ٹٹولتا۔ کیا وہ واقعی واپس جا رہے تھے؟ وہ بے یقین تھا۔

(وہ پنجرے میں بند تھے اور پنجرہ اٹھائے گھوڑا گاڑی سڑک پہ سرپٹ دوڑ رہی تھی۔ تالیہ کے سر پہ چوٹ لگی تھی اور درد ہو رہا تھا۔)

زینے اترتے وقت وان فاتح سب سے آگے تھا۔ دروازے پہ وہ پہلے پہنچا۔ تالیہ نے چابی مانگی مگر وہ خود آگے آیا اور تالے میں چابی ڈالی۔ پھر زنجیر ہٹا کے اسے کھولا۔ لکڑی کا قدیم دروازہ کھلتا چلا گیا۔

(وہ بنداہارا کے محل میں کھڑی اپنے بابا سے پہلی دفعہ مل رہی تھی۔ اس نے جامنی لباس پہن رکھا تھا اور کان کے اوپر بڑا سا پھول لگا تھا۔)

دروازے کے پار وہی سب تھا جو پہلے نظر آیا تھا۔طویل راہداری جو گیلی تھی۔وہ تینوں تیزی سے اس پہ چلنے لگے۔تالیہ کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ایڈم اب بھی دیواروں کو بے یقینی سے ٹٹول رہا تھا۔

(وان فاتح ابوالخیر کی حویلی کی رسوئی میں کھڑا اصراحی سے پیالیوں میں قہوہ انڈیل رہا تھا۔دھار کی صورت میں گرتا قہوہ پیالی کو بھر رہا تھا۔پتوں کے کڑھنے کی خوشبو سارے میں پھیلی تھی۔)

ان کے پیر پانی میں ڈوب رہے تھے اور اوپر سے قطرے بھی برس رہے تھے مگر وہ چلتے گئے... چلتے گئے... چلتے گئے۔

(ایڈم کتب خانے میں کتابیں اور قلم کاغذ پھیلائے بیٹھا تھا۔ہاتھ میں پکڑے کاغذ کو وہ شعلہ دکھا چکا تھا اور کاغذ دھیرے دھیرے جل رہا تھا۔)

راہداری ایک دوسری پانی بھری راہداری کے ساتھ آملی۔دو دریاؤں کا سنگم۔

تالیہ کی آنکھیں فرطِ مسرت سے بھیگنے لگیں۔صرف فاتح تھا جو سنجیدہ تھا۔بے تاثر۔سرد۔

(وہ دونوں ابوالخیر کی حویلی کی چھت پہ اکڑوں بیٹھے باتیں کرتے ہوئے دور تک پھیلے اندھیرے میں ڈوبے ملاکہ کو دیکھ رہے تھے۔)

دو دریاؤں کے سنگم پہ تالیہ نے سر اٹھا کے دیکھا۔وہاں کوئی ہما نہ تھا۔مگر وہ نئی زندگی کی شروعات تھیں۔وہ تیزی سے آگے بڑھنے لگی، یہاں تک کہ سب سے آگے نکل گئی۔

(وہ ملکہ یان سوفو کے محل میں اس کے سامنے کھڑی تھی اور طبیب کو ڈانٹ رہی تھی۔اس کا تاج سنہری دھوپ میں چمک رہا تھا اور ملکہ دنگ کھڑی اس کو اپنی حمایت کرتے دیکھ رہی تھی۔)

فاتح اب سست روی سے چل رہا تھا۔اسے اب واپس پہنچنے کی جلدی نہ تھی۔ایڈم کا چہرہ اب جیسے پرسکون ہونے لگا تھا۔اسے یقین آنے لگا تھا۔

(ایڈم دربار میں رکھی سنہری میز پہ موجود اپنے نام کی تختی پہ مسحور سا ہاتھ پھیر رہا تھا۔ساتھ ہی دستے رکھے تھے جن کے اوپر لکھا بنگا رایا ملایو جگمگا رہا تھا۔)

دوسرے دریا کے پار وہی زینہ تھا۔تالیہ بھاگ کے اس پہ چڑھی۔سامان کی پوٹلی سنبھالے، وہ تیز تیز قدم اٹھا رہی تھی۔فاتح بن رامزل کے قدم اتنے ہی بھاری ہو رہے تھے۔

(مراد راجہ سختی سے اس کا بازو پکڑے اس کے ساتھی کے متعلق پوچھ رہا تھا۔میز پہ رکھی اس کی ننھی سی لکڑی کی کشتی خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔)

لکڑی کا ڈھکن اس نے ہٹایا تو سیاہ رات دکھائی دی۔وہ باہر نکلی تو خود کو سن باؤ کے صحن میں پایا۔تاروں بھرا آسمان اور.... اس نے

گردن موڑی...نئے ملاکہ میں جدید تراش خراش سے آراستہ سن باؤ کا گھر۔

(وہ جیا کے چبوترے پہ کھڑا بلند آواز میں لوگوں سے مخاطب تھا' مگر وہ گردنیں افسوس سے ہلاتے کھانا کھانے میں مصروف تھے۔)

ایڈم باہر نکلا تو بالکل دنگ رہ گیا۔ پھر بالآخر کھل کے مسکرایا۔ پیروں پہ گول گول گھوم گیا۔ وہ جدید ملاکہ ہی تھا۔ وہ جدید گھر ہی تھا۔

(وہ تینوں سن باؤ کے برآمدے میں زمین پہ بیٹھے تھے اور چینی قاضی ان سے ان کی رضامندی لے رہا تھا۔ گواہ بنا ایڈم خالی دل اور خالی نظروں سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔)

فاتح نے اوپر قدم رکھے اور سیدھا کھڑا ہوا تو ڈھکن خود بخود بند ہو گیا۔ زمین برابر ہو گئی۔ کنویں کا پانی بھر آیا۔

ایسے جیسے وہاں کوئی ڈھکن تھا ہی نہیں۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

(وہ دونوں مجسمے کی جگہ کے نیچے زمین میں سامان بھر رہے تھے۔ سن باؤ کے قدیم صحن میں تالیہ اور ایڈم تنہا تھے اور ان کے ہاتھ تیز تیز کام کر رہے تھے۔)

وان فاتح نے صرف برآمدے کی طرف دیکھا۔ دیوار پہ لگی گھڑی ساڑھے گیارہ بجا رہی تھی۔ گھڑی پہ تاریخ کی اسکرین سولہ جولائی دکھا رہی تھی۔ وقت رک گیا تھا۔

(وہ مراد کے قید خانے میں مقید صلیب صورت بندھا کھڑا تھا۔ سپاہی اس کو پیٹ رہے تھے اور وہ کرب سے آنکھیں موندے ہوئے تھا۔)

تالیہ نے دونوں بازو فضا میں پھیلا دیے اور آسمان کی طرف دیکھ کے آنکھیں موند لیں۔ جدید ملاکہ کی ٹھنڈی ہوا اس کے سنہری بالوں میں سرسراتی ہوئی گزر رہی تھی۔ وہ آزاد تھی۔

ایڈم بھاگ کے برآمدے میں گیا اور وہاں رکھا ٹی وی آن کیا۔ اسکرین پہ نیوز کا سٹر خبریں پڑھ رہا تھا۔ تاریخ' وقت...خبر کی پٹیاں...سب سولہ جولائی تاریخ کا تھا۔ وقت واقعی تھم گیا تھا۔

اور کون کہتا ہے کہ وقت کسی کے لئے نہیں رکتا؟

کبھی کبھی....

کسی کسی کے لئے....

کسی کسی زمانے میں....

وقت تھم بھی جاتا ہے۔

اور تھم کے...وہ انتظار کرتا ہے۔

اپنی بھول بھلیوں میں

کھو جانے والے

مسافروں کی واپسی کا!

☆......☆......☆

تاریخ تھی سولہ جولائی۔ دن تھا اتوار کا۔ سن تھا 2016 اور وقت تھا رات کے ساڑھے گیارہ بجے جب وہ تینوں یکے بعد دیگرے زینے چڑھ کے اوپر آئے تھے۔

سن باؤ کا گھر پہلی نظر میں پہچانا نہیں گیا۔ یہ قدیم صحن اور گھر جیسا نہ تھا۔ ہر شے مرمت اور تزئین و آرائش کے بعد نئی بنا دی گئی تھی۔ مصنوعی سی۔ سوائے مجسمے کے۔ وہ چند ایک جگہوں سے ذرا ٹوٹا ہوا تھا' مگر یوں لگتا تھا کہ ماہرین بار بار اس کی Repairing کرتے تھے۔ کنواں بھی اب مصنوعی سا لگتا تھا کیونکہ وقت خود مصنوعی سا ہو گیا تھا۔

اور ہاں.... تالیہ نے آنکھیں موندے' بانہیں پھیلائے' فضا کو سونگھا.... کوئی بو نہ تھی مگر وہ جانتی تھی کہ اس فضا میں Cesium بھی تھا۔

''چھ سو سال گزر گئے!'' اس نے آنکھیں کھولیں اور پیروں پہ گول گول گھومی۔ چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔

''پانچ سو ستاون سال' بچے تالیہ۔'' ایڈم ٹی وی بند کر کے واپس صحن کی طرف آیا تو اس کے چہرے پہ بھی الوہی خوشی تھی۔ فاتح ان دونوں کو دیکھ کے بس ذرا سا مسکرایا۔ وہ نہ کسی چیز کو دیکھ رہا تھا' نہ فضا کو سونگھ رہا تھا۔ وہ بس ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

دھیرے دھیرے تالیہ کو باہر شور سنائی دینے لگا۔ بہت سی آوازیں' بے ہنگم موسیقی۔ گاڑیوں کے ہارن' ہر طرح کی بولیاں۔ اس کے تاثرات بدلے۔ قدرے فکرمندی سے بند دروازے کو دیکھا۔

''یہ شور کیوں ہے اتنا۔''

''یہ 2016 ہے بچے تالیہ۔ یہاں ہمیشہ ہی اتنا شور تھا۔ آپ قدیم زمانے کی خاموشی کی عادی ہو گئی تھیں۔'' پھر اس نے فاتح کی طرف دیکھا۔ ''سر آپ نے تو آج کے ایل واپس جانا تھا۔'' اسے سب یاد تھا۔ ''بلکہ آپ جا رہے تھے تو میں نے آپ کو روکا تھا۔''

''نہیں' میں آج رات ادھر ہی رہوں گا۔ میں تھکا ہوا ہوں۔'' فاتح نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا تو ایڈم لمحے بھر کو خاموش ہو گیا۔ تالیہ نے شور کے باعث جھرجھری سی لی۔

''کیا کے ایل میں ہمیشہ اتنا شور تھا' اف۔ انسان کو کیا ہو گیا ہے۔ کیا سے کیا بنتا جا رہا ہے۔''

اسی اثناء میں باہر پولیس کے سائرن سنائی دیے۔ تالیہ چونکی۔ ''کیا میرے کان بج رہے ہیں۔''

''نہیں' ایڈم نے جانے سے پہلے پولیس کو بلایا تھا۔ تمہیں گرفتار کروانے۔'' فاتح نے گہری سانس لی اور دروازے کی طرف

بڑھا۔"میرا نہیں خیال اب ایڈم تمہیں گرفتار کروانا چاہے گا اس لئے میں ذرا ان کو فارغ کرتا ہوں۔تم لوگ اندر ہی رہو۔"ایڈم ساتھ آنے لگا تو اس نے سختی سے منع کیا۔ایڈم رک گیا۔اسے ذرا خفت ہوئی۔

"ایڈم مجھے گرفتار کروانے کا سوچ تو سہی۔" تالیہ نے کمر پہ دونوں ہاتھ رکھے گھور کے اسے دیکھا۔

ایڈم جواب میں کچھ تیکھا سا کہنے لگا' پھر مجسمے کے قدموں تلے زمین کو دیکھا۔دونوں کی نظریں ملیں۔ایڈم کی آنکھوں میں سوال اترا۔(کب؟)

"دھیرج...ابھی کافی وقت ہے ہمارے پاس۔" وہ مسکرا کے سرگوشی میں بولی۔

فاتح پولیس والوں سے معذرت کر کے واپس آیا تو اتنا ہی سنجیدہ لگ رہا تھا۔سیدھا برآمدے کی طرف چلا گیا۔وہاں میز پہ لکھنے کا سامان رکھا تھا۔اس نے نوٹ پیڈ اٹھایا اور قلم کھولا میز پہ جھکے کھڑے سرسری سا پوچھا۔

"ایڈم تمہارا ای میل ایڈریس کیا ہے؟"

ایک دم مخاطب کیے جانے پہ ایڈم گڑبڑایا۔"جی؟"

"ہمارے موبائلز تو جنگل میں چار ماہ پہلے ناکارہ ہو گئے تھے نا۔تم سے ابھی رابطہ تو ای میل پہ کرنا ہو گا نا۔"

"جی جی سر....لکھیں۔" وہ جلدی سے بتانے لگا۔

"اور میرا ای میل ہے...." وہ بھی کہنے لگی تو فاتح قلم بند کر کے سیدھا ہوا۔"اس کی ضرورت نہیں۔تم لوگ اب جاؤ۔" وہ سنجیدہ تھا۔اور اس کے اعصاب بالکل پرسکون تھے۔آنکھیں بے تاثر تھیں۔برآمدے میں روشنی تھی اور وہ روشنی میں کھڑا تھا۔دونوں پہلوؤں پہ ہاتھ جمائے وہ اب ان کو یوں منتظر سا دیکھ رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو اب جاؤ' میں تھکا ہوا ہوں۔

"جی بالکل۔آپ آرام کریں۔ہم اپنے اپنے گھروں کو جاتے ہیں۔" وہ سمجھنے والے انداز میں بولی۔

"شکریہ!" فاتح نے سر کو خم دیا۔وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔نگاہیں بے تاثر تھیں۔

ایڈم نے سلام کیا(فاتح نے اسے نہیں دیکھا)اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔وہ بھی مڑنے لگی تو وہ بولا۔"تالیہ!"

وہ ٹھہری اور مڑ کے سیاہ آنکھوں میں سادگی لئے اسے دیکھا۔"جی؟"

فاتح چند قدم چل کے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔وہ اس کی گردن میں پہنی سنہری چابی صاف دیکھ سکتی تھی۔وہ چمک رہی تھی۔

"میں صبح ہونے سے پہلے پیپرز ایڈم کو بھیج دوں گا۔کوئی ثبوت ہونا چاہیے نا رشتہ توڑنے کا۔تم آزاد ہو گی۔اپنی زندگی اپنے اصل کے ساتھ گزارنا۔اور اتنا سچ بولنا کہ تمہاری ہر بات پہ لوگ آنکھیں بند کر کے یقین کرنے لگ جائیں۔ٹھیک ہے نا تالیہ؟" وہ اس رات کی طرح نرمی سے نہیں سمجھا رہا تھا۔بس بے تاثر انداز تھا اس کا۔اس کا ماتھا ٹھنکا۔

''کیا کچھ ہے جو آپ مجھ سے چھپا رہے ہیں۔''

''میں جو کہہ رہا ہوں اس کو سنو یاد رکھو۔ جو تم نے سیکھا ہے' اس کو تم نہیں بھلاؤ گی۔ تم اپنی زندگی نئے طریقے سے شروع کرو گی۔ تم وہ عورت بنو گی جس کو اپنی ذات کی تکمیل کے لئے کسی دوسرے انسان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تالیہ بنتِ مراد....'' اس نے دھیرے سے اس کے دونوں ہاتھ تھامے اور ان کو اکٹھا کر کے سامنے کیا۔ وہ شل رہ گئی۔

''میں کہنا چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ رہو.... مجھے تمہاری اور تمہیں میری ضرورت ہے لیکن مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے۔ یہ خود غرضی ہوگی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے آزادی کے بعد امریکہ چلی جاؤ اور ایک اچھی زندگی گزارو۔''

اس کے ہاتھ فاتح کے ہاتھوں میں تھے اور وہ دم سادھے اس کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا آپ مجھے یاد کریں گے؟'' اس کی آنکھیں یونہی بھیگنے لگی۔

''مجھ سے ایک وعدہ کرو۔ تم کبھی بھی واپس قدیم ملاکہ میں جانے کی کوشش نہیں کرو گی۔''

''میں پاگل ہوں جو واپس جاؤں گی؟''

''چاہے کچھ بھی ہو جائے.... تم... واپس نہیں جاؤ گی۔ تم یہاں سے دور چلی جانا۔ تم ہماری اس دنیا میں شہزادیوں کی طرح رہنا لیکن کبھی قدیم ملاکہ کی شہزادی بننے کا مت سوچنا۔ کسی کے لئے نہیں۔ وان فاتح کے لئے بھی نہیں۔''

اس کی بھیگی آنکھیں فاتح کے بے تاثر مگر تکان زدہ چہرے پہ جمی تھیں۔ ''آپ کو کیوں لگتا ہے میں واپس جانے کا سوچوں گی؟''

''تم کبھی اس چابی کو دوبارہ نہیں ڈھونڈو گی۔ بھلے جتنی شدت سے تمہارے اندر واپسی کی تڑپ اٹھے.... تم تالیہ.... تم واپس نہیں جاؤ گی۔'' وہ اس کے کسی سوال کا جواب نہیں دے رہا تھا۔

''آپ ایسے کیوں کہہ رہے ہیں جیسے آپ مجھے چھوڑ کے کہیں دور جا رہے ہوں۔''

فاتح نے دھیرے سے اس کے ہاتھ چھوڑ دیے۔ ''میں کہیں نہیں جا رہا۔ میں کے ایل میں ہی رہوں گا۔ میں ایک خود غرض آدمی ہوں تالیہ۔ وان فاتح کو صرف وان فاتح سے محبت ہے۔ الیکشن کا سال شروع ہونے والا ہے۔ میرے خواب اور میرے عزائم کی تکمیل کا سال ہے یہ۔ مجھے بہت کام کرنا ہے اس سال۔ میں اپنے سفر میں کھو جاؤں گا اور میں تمہیں یاد نہیں کر پاؤں گا لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم میری ان باتوں کو کبھی نہ بھلاؤ۔''

''میں بھلا بھی نہیں سکتی!'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ آنسو پھسل کے گال پہ لڑھکا۔ پھر دروازے کو دیکھا۔ اس کے پار ایڈم رکا کھڑا تھا۔

وہ واپس جانے کو مڑی تو فاتح نے پکارا۔ ''ایڈم کا خیال رکھنا۔ قدیم ملاکہ میں اس کا دل ٹوٹا تھا۔ کوشش کرنا کہ کے ایل میں آ کے

وہ اپنے دل اور ذات دونوں کو جوڑنا سیکھ لے۔“

تالیہ نے بس سر ہلا دیا۔ وہ نہیں مڑی۔ اسے پتھر نہیں بننا تھا۔

باہر کھڑے ایڈم کو ان الفاظ نے سُن کر دیا تھا۔ اس نے بے اختیار دل پہ ہاتھ رکھا۔ (تو فاتح جانتا تھا؟)

”سنو۔ تمہارا دل کیوں ٹوٹا ملاکہ میں؟“ وہ باہر نکلتے ہی اس پہ گرجی۔ ساتھ ہی گیلی آنکھیں رگڑ کے صاف کیں۔

”میرے دل کو چھوڑیں۔ اپنے کی فکر کریں۔ جب وہ اپنے بیوی بچوں کے لئے آپ کو چھوڑیں گے تو آپ کا دل بھی ٹوٹے گا۔“ وہ جل کے بولا اور قدم بڑھا دیے۔

”میرا دل تو مجسمے تلے دفن ہے، شاہی مورخ۔ میرا خزانہ، میرا مستقبل۔“ وہ پھر سے خوشگوار موڈ میں آ گئی تھی، جیسے بارش کے بعد سارا منظر صاف ہو جاتا ہے۔

باہر سڑک کے دونوں اطراف کی دکانیں اور ریستوران ابھی تک کھلے تھے۔ شور، رش، آوازیں۔ سڑک پہ چلتی گاڑیاں۔ وہ باہر آئی تو ایک دم گھبرا گئی۔ دل پہ ہاتھ رکھا۔

”یہ کیسی عجیب جگہ ہے۔“ سڑک بمشکل پار کی اور جھرجھری لے کے ایڈم سے بولی۔

پھر اس ریستوران کے سامنے رکی۔ باہر میز کرسی اسی طرح لگی تھی اور اس پہ ہاٹ چاکلیٹ رکھا تھا۔ بل اس نے ادا نہیں کیا تھا، اسلئے ویٹر نے ہاٹ چاکلیٹ نہیں اٹھایا تھا۔ وہ ابھی تک تازہ تھا۔

یہ اس نے آرڈر کیا تھا۔ آدھ گھنٹہ پہلے۔ یا پھر.... چار ماہ پہلے۔ وقت کے سارے حساب وہ کتاب الٹے ہو گئے تھے۔ وہ اداسی سے مسکرا دی اور آگے بڑھ گئی۔ اس کی کار وہیں کھڑی تھی۔

”سنو.... تم میرے ساتھ آنا.... بس سے مت جانا۔ میں تمہیں گھر ڈراپ کر دوں گی۔“ فراخ دلی سے پیش کش کی۔

”میں اس حلیے اور اس گندے میلے چہرے کے ساتھ بس میں جا بھی نہیں رہا۔“

وہ کار کے قریب آئی تو یاد آیا۔ چابی.... چابی کہاں گئی؟ پرس کہاں گیا؟ شاید ساتھ لے گئی تھی۔ وہ تو جنگل میں کھو گئی تھی جب ان کو قیدی بنا کے ان کا سامان ضبط کیا گیا تھا۔ اس نے بے اختیار سر پہ ہاتھ مارا۔ اب اتنے لوگوں کے سامنے وہ کار کو ”کسی اور طریقے“ سے نہیں کھول سکتی تھی۔

”چلو کسی ریستوران سے منہ ہاتھ دھو لیتے ہیں اور پھر ٹیکسی کر لیتے ہیں۔ ہمارے پاس پیسے بھی نہیں ہیں۔ بس کا ٹکٹ کیسے خریدیں گے۔ ٹیکسی کو گھر کے پاس اتار کے میں پیسے اندر سے لا دوں گی۔“

”دو گھنٹے کی ڈرائیو ہے۔ ٹیکسی والا بہت پیسے لے گا۔“

''بے فکر رہو، ہم بہت جلد بہت امیر ہونے والے ہیں۔'' وہ واقعی بے فکری سی آگے بڑھ گئی۔

''آپ کو وان فاتح کا انداز کچھ عجیب سا نہیں لگا۔'' وہ ساتھ چلتا الجھا ہوا سا کہہ رہا تھا۔ کچھ تھا جو اسے کھٹک رہا تھا۔

''انہوں نے اپنی بیوی کو سمجھو دھوکہ دے کر ایک شہزادی سے نکاح کیا ہے۔ وہ اس نکاح کو ختم کرنے تک ڈسٹرب رہیں گے' ایڈم۔ سمجھا کرو۔'' وہ خود کو مطمئن کر چکی تھی۔

جدید ملاکہ کے بازار میں شہزادی اور مورخ ساتھ ساتھ چلتے جا رہے تھے۔

☆......☆......☆

ٹیکسی نے ایڈم بن محمد کو اس کے گھر کے باہر اتارا تو اس کے نکلنے سے قبل تالیہ نے تاکید کی تھی۔

''صبح اپنی سم نکلوا لینا اور نیا فون لے لینا۔ میں کال کروں گی۔ تمہارا نمبر میرے آئی کلاؤڈ میں محفوظ ہو گا۔''

ٹیکسی ڈرائیور نے بیک ویو مرر میں اس لڑکی کو دیکھا جو پچھلی سیٹ پہ بیٹھی باہر نکلتے نوجوان کو ہدایت دے رہی تھی۔ بندھے بال رف ہو رہے تھے۔ سوتی سادہ باجو کرنگ پہنے وہ کسی لمبے سفر سے لوٹی لگتی تھی۔ اور وہ نوجوان.... ڈرائیور نے ایک تنقیدی نظر اس پہ ڈالی جو ''اچھا'' کہتا دروازہ بند کر رہا تھا۔ اس کا لباس زیادہ عجیب تھا۔ پاجامہ اور قمیض بے ڈھنگی سی سلی تھی اور اوپر بنا آستین کے نیلی جیکٹ۔ بال بھی کانوں سے نیچے تک آ رہے تھے جیسے کافی دن سے کٹوانے کی زحمت نہ کی ہو۔ ان دونوں کے لباس اور جوتوں پہ جگہ جگہ کانٹے اور مٹی لگی تھی۔ چہرے شاید دھو لیے تھے۔

''آپ کہاں سے آئی ہیں؟'' سڑک پہ کار ڈالتے ہوئے وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

پیچھے بیٹھی تالیہ نے کھڑکی سے نظر ہٹا کے اس کے سر کی پشت کو دیکھا۔ ''ملاکہ سے۔''

''کوئی حادثہ وغیرہ ہو گیا تھا کیا؟ یعنی.... کار وغیرہ چھن گئی؟''

''ہاں' حادثہ ہو گیا تھا' مگر شکر ہے جان بچ گئی۔'' وہ واپس شیشے کے پار دیکھنے لگی۔

کار اب مرکزی شاہراہ پہ آ چکی تھی۔

جگمگاتی آسمان کو چھوتی عمارتیں.... سڑک کنارے لگی چم چم کرتی بتیاں.... بھاگتی ٹریفک.... وہ بس مسحور سی ہو کے کوالالمپور کی مسروف زندگی کو دیکھ رہی تھی۔

یہ کیسی دنیا تھی جہاں ہر کوئی بھاگ رہا تھا... سب کو جلدی تھی...

کام ختم کرنے کی جلدی.... نیا کام شروع کرنے کی جلدی.... کامیاب ہو جانے کی جلدی.. اچھا بن جانے کی جلدی... ہر کام میں جلدی...

کیا ان لوگوں کو نہیں معلوم تھا کہ ہر چیز ایک کٹھن عمل سے گزر کے مکمل ہوتی ہے؟

ہر کام میں وقت لگتا ہے۔اور لگنا بھی چاہیے۔

مگر ان لوگوں کا وقت پہ زور نہیں چلتا' یہ اس کو روک نہیں سکتے سو اپنی رفتار تیز کر دینا چاہتے ہیں۔

لیکن شاید وقت کو روکنا ضروری نہیں ہوتا۔

ضروری صرف ایک ایک لمحے کو جی لینا ہے۔اسے ضائع کیے بغیر۔

اس نے شیشہ گرا دیا اور کے ایل کی ٹھنڈی ہوا کو اپنے چہرے سے کھیلنے کی اجازت دے دی۔پھر آنکھیں موند لیں۔

وقت۔سارے کھیل وقت کے ہی تو تھے۔

کسی کا اس پہ زور نہیں چلتا تھا۔

☆......☆......☆

کے ایل پہ سترہ جولائی کی صبح طلوع ہوئی تو شہر کے سارے پھول مہک اٹھے۔آج آسمان صاف تھا۔بارش کا کوئی امکان نہ تھا۔تالیہ نے اپنے کمرے کے پردے ہٹائے تو کھڑکی بے نقاب ہوئی اور ڈھیر ساری روشنی اندر آئی۔اس نے آنکھیں چندھیا لیں۔

ایک نئی صبح....ایک نئی زندگی....ایک مختلف دنیا۔

وہ سادہ ٹراؤزر اور قمیض میں ملبوس کھڑی تھی۔گیلے بال تولیے میں لپٹے تھے۔

اس نے جیسے پانی سے اپنے وجود پہ ان چار ماہ کے تمام نشان دھوڈالنے کی کوشش کی تھی۔چار ماہ میں سر کی جڑوں سے دو انچ جتنے سیاہ بال نکل آئے تھے اور سنہری ڈائی نیچے چلا گیا تھا۔اس لئے صبح صبح اٹھ کے اس نے اپنے بال واپس سنہری رنگے۔پھر خود ہی ان کو ذرا کاٹ کے لمبائی برابر کی تھی۔ای میل کھول کے یاد کیا کہ جانے سے پہلے کیا مصروفیات رہی تھیں۔اپنے پرانے شیڈیول کو پھر سے ذہن نشین کیا۔عصرہ کی نیلامی سر پہ آئی کھڑی تھی۔وہاں بھی جانا تھا۔غرض وہ صبح تک خود کو 2016 کے کے ایل میں فٹ کر چکی تھی۔

مگر کیا واقعی؟

وہ سیڑھیاں اتر کے نیچے آئی تو سارا گھر نیا نیا سا لگ رہا تھا۔گو کہ ہر شے وہیں تھی' مگر'احساس' نیا تھا۔ریلنگ کی ٹھنڈی لکڑی پہ ہاتھ گزارتی....پینٹ شدہ دیواروں اور جا بجا لگے شیشوں پہ نظر دوڑاتی' اس نے آخری زینے پہ قدم رکھا تو سامنے صوفے پہ داتن بیٹھی تھی۔

میز پہ پلیٹ میں کوئی مرغن ڈش اور فرنچ فرائز سجائے وہ چھری کانٹے سے جھک کے کھانے میں مشغول تھی۔اسے دیکھ کے ابھی سر اٹھایا ہی تھا کہ تالیہ تیزی سے اس کی طرف بھاگی اور اس کو گلے لگا یا۔

''اوہ لیانہ صابری۔میری موٹی مرغی....تم کیسی ہو۔'' خوشگوار حیرت کے ساتھ کہتی وہ علیحدہ ہوئی تو داتن نے اسے یوں دیکھا

جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔ پھر سمجھ کے گہری سانس لی۔

''کیا چاہیے تمہیں؟'' مشکوک نظر اس پہ ڈالی مگر تالیہ کا موڈ اتنا اچھا تھا کہ اس نے بس مسکرا کے شانے اچکا دیے اور اس کی پلیٹ سے آلو کا چپس اٹھا کے منہ میں رکھا۔

''بس تمہیں اچانک سے اپنے گھر میں دیکھا تو محبت کا اظہار کر ڈالا۔ چاہیے کچھ نہیں۔''

''اچانک مطلب؟ میں تو روز ہی ادھر ہوتی ہوں۔''

تالیہ نے جواب دیے بنا چپس اور اٹھائے۔ پھر محسوس کیا' داتن اس کو غور سے دیکھ رہی ہے۔ وہ ذرا سنبھلی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟''

''تم کچھ.....مختلف لگ رہی ہو۔'' داتن ذرا الجھی تھی۔

''اچھا؟ وہ کیسے؟'' اس نے سرسری سے انداز میں بے پرواہی سے کہا تو داتن سے سر جھٹکا۔

''تمہارا وزن شاید بڑھنے لگا ہے' تالیہ۔ گال ذرا پھولے لگ رہے ہیں۔'' وہ جو اگلے چپس کی طرف ہاتھ بڑھا رہی تھی' رک گئی۔''ہاں' میں کھانے بہت لگی ہوں۔ دو دن احتیاط نہ کروں تو تمہارے جیسی ہو جاؤں گی۔ اف۔'' جھرجھری لے کر اٹھی اور داتن سے نگاہ ملائے بغیر اوپن کچن کی طرف بڑھ گئی۔

''رات میں نے تمہیں اتنی کالز کیں۔ تم نے فون نہیں اٹھایا۔''

''ہاں وہ میرا فون کھو گیا تھا۔ ملاکہ میں۔'' وہ چولہے تک آئی اور غائب دماغی سے برتنوں کو دیکھا۔ کون سی چیز کہاں رکھی تھی؟ کون سے بٹن سے کون سا برنر چلتا تھا؟ قہوہ کیسے بنائے؟ مگر قہوہ کہاں سے آ گیا؟ اف وہ پہلے کس چیز سے ناشتہ کیا کرتی تھی؟

''تم ملاکہ کیوں گئیں' تالیہ؟'' داتن نے افسوس سے اس کی پشت کو دیکھا۔ ''تم اس خزانے کا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتیں۔ اس ملعون چابی کو مکمل کرنے کی کوشش....''

''میں نے اس کا پیچھا چھوڑ دیا ہے۔'' وہ اس کی طرف گھومی اور کاؤنٹر سے ٹیک لگائے سادگی سے بولی۔ ''مجھے یقین آ گیا ہے۔ وہ چابی' وہ خزانہ' وہ سب ملعون ہے۔ میں اب اس کا پیچھا نہیں کروں گی۔ خوش؟''

داتن نے ابرو بھینچ کے تعجب سے اسے دیکھا۔ ''ارے واہ' اتنی جلدی مان گئیں تم؟''

''ہوں!'' اس نے شانے اچکائے اور واپس گھوم گئی۔ دھیرے دھیرے کچن کی ترتیب یاد آتی جا رہی تھی۔

''کوئی بات ہے' تالیہ؟'' داتن ذرا اچنبھے سے اس کو کام کرتے دیکھ رہی تھی۔ ''کل تک تم دیوانی ہو رہی تھیں' اس خزانے کے لئے اور آج....''

''اف داتن!'' وہ مڑے بغیر برتن پٹخ پٹخ کرتی مصنوعی ناگواری سے بولی۔ ''ایک تو تمہاری بات مان رہی ہوں' اوپر سے....''

''یہ انگوٹھی کہاں سے لی؟ دکھاؤ!'' لیانہ صابری کو اس کے برتن پٹختے ہاتھوں میں وہ انگوٹھی اب نظر آئی۔ ذرا سی جھلک نے اس کی جوہری جیسی آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ وہ اٹھی اور تیزی سے لپک کے تالیہ کے سامنے آئی۔ پھر اس کا ہاتھ تھام کے بے یقینی سے اس انگوٹھی کو دیکھا۔ سرخ آنسو شکل یاقوت کے گرد ننھے ہیرے لگے تھے۔ انگوٹھی سونے کی تھی اور سونا بھی چوڑا اور بھاری تھا۔ داتن نے اس کی انگلی سے سرعت سے انگوٹھی نکالی اور اوپر کر کے روشنی میں اسے دیکھا۔

''میرے خدا.... یہ تو بہت قیمتی ہے۔ یہ نئی خریدی ہے کیا تم نے۔'' وہ انگشتِ بدنداں رہ گئی تھی۔

''تالیہ نے پہلے کبھی زیور ''خریدا'' ہے جواب خریدے گی؟ لاؤ واپس کرو۔'' نروٹھے پن سے کہتے اس نے انگوٹھی واپس لی اور انگلی میں ڈالی۔

''میں سمجھ گئی!'' داتن نے پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے اس کو مشکوک نظروں سے گھورا تو تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

'کیا؟'' دل زور سے دھڑکا۔

''تم نے خزانے کا خیال اس لئے ذہن سے نکال دیا ہے کیونکہ تمہیں کسی اور واردات کا موقع مل گیا ہے۔ یہ تم نے کسی کی چرائی ہے نا اور مجھے بتایا تک نہیں۔ جلدی بتاؤ کیا معاملہ ہے۔''

''تم جانتی ہو کہ جب تک میں خود نہ بتانا چاہوں' تم مجھ سے نہیں اگلوا سکتیں' اس لئے کیوں نا ہم ابھی بیٹھ کے ناشتہ کریں۔ اچھے دوستوں کی طرح۔'' اس نے نرمی سے داتن کے کندھوں پہ ہاتھ رکھا تو اس نے شک بھری نظروں سے تالیہ کو دیکھا۔

''تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو' تالیہ۔''

''ظاہر ہے میں تم سے کچھ چھپا رہی ہوں۔ لیکن ابھی میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی۔ ابھی مجھے زیادہ بڑے مسئلے درپیش ہیں۔''

''اوہ ہاں۔ سمیع جیسے۔'' داتن سنجیدہ ہوئی۔

''سمیع؟'' تالیہ نے یاد کرنا چاہا۔ (سمیع کا کیا مسئلہ تھا؟)

اور پھر جھماکے سے یاد آیا۔ سمیع.... اس کا سابقہ شوہر.... اس کو دھمکا رہا تھا۔ پیسے مانگ رہا تھا' ورنہ وہ وان فاتح اور اشعر کو بتا دے گا کہ وہ کوئی امیر زادی نہیں ہے' بلکہ طلاق یافتہ اور..... وہ ایک دم ہنس پڑی۔

اب یہ ساری باتیں ثانوی ہو گئی تھیں۔ فاتح کو چار ماہ پہلے جنگل میں اس نے سب بتا دیا تھا اور وہ دونوں اتنا آگے نکل آئے تھے کہ ان باتوں سے فرق نہیں پڑتا تھا۔

''سمیع....'' وہ مسکرا کے سر جھٹکتی قہوہ پیالی میں انڈیلنے لگی۔ کاؤنٹر سے ٹیک لگائے کھڑی داتن ہنوز خفگی اور شک بھری نظریں اس پہ جمائے ہوئے تھی۔

☆......☆......☆

ایڈم بن محمد کے چھوٹے سے گھر پہ صبح روشن ہو چکی تھی۔ مرغیاں اپنے ڈربے میں کٹ کٹا رہی تھیں اور بلی دھوپ سے چمکتی دیوار پہ سو رہی تھی۔

اندر کچن میں ناشتے کی اشتہاء انگیز خوشبو پھیلی تھی۔ گول میز کے گرد محمد بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے اور ایبو (ماں) چولہے کے سامنے کھڑی تھی۔ سر پہ اسکارف لپیٹے' ڈھیلے ڈھالے باجو کرنگ میں ملبوس' وہ آستین اوپر چڑھائے کام میں مصروف تھی۔

''ایڈم کہاں ہے؟'' محمد صاحب نے چونک کے ایک دم پوچھا تو ایبو پلٹی اور سادگی سے ان کو دیکھ کے بولی۔

''کل اچانک سے ملاکہ چلا گیا تھا۔ رات دیر سے واپس آیا۔ میں کھانا گرم کرنے اٹھی مگر کمرے میں چلا گیا اور اندر سے آواز لگا دی کہ تھکا ہوا ہے' سونا چاہتا ہے۔ میں نے بھی تنگ نہیں کیا۔''

''اور اب؟''

''اب صبح سویرے جب میں باتھ روم میں تھی تو باہر جانے کی آواز آئی تھی۔ لو آ گیا۔''

اسی اثناء میں راہداری کا دروازہ کھلا تو ایبو نے گہری سانس لی۔ ''ایڈم.... ناشتہ لگ گیا ہے۔ ادھر آ جاؤ۔'' ساتھ ہی آواز دی۔

محمد صاحب اخبار پڑھتے ہوئے چائے پیتے رہے۔ دفعتاً ایڈم اندر داخل ہوا اور سلام کہہ کے نظر ملائے بغیر کرسی کھینچی۔

ایبو نے اس کے لیے فرائیڈ رائس پلیٹ میں نکالے اور میز تک آئی تو لمحے بھر کو دھک سے رہ گئی۔ ''یا اللہ ایڈم.... یہ بالوں کو کیا کیا؟''

محمد صاحب نے بھی چونک کے اسے دیکھا۔

وہ سادہ ٹی شرٹ اور پینٹ میں ملبوس تھا۔ چہرہ سنجیدہ تھا اور بال.... بال بالکل چھوٹے کٹوا لئے تھے۔ ''کل'' سے پہلے جتنے بال تھے' اس سے بھی کافی چھوٹے۔

''یونہی' ماں۔ گرمی بڑھ گئی ہے۔ تو سوچا... بال کٹوا لوں۔'' وہ مسکرا کے تازہ دم سا بولا۔

''چلو.... اچھا کیا۔ بال کٹوانے سے تمہاری رنگت کتنی صاف نکل آئی ہے۔''

محمد صاحب نے بھی ایک تائیدی نظر اس پہ ڈالی اور اخبار کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ایڈم نے بس سعادت مندی سے سر ہلایا۔ ''بس ماں.... صرف بالوں کی وجہ سے لگ رہا ہے۔ ورنہ رنگت تو ایسی ہی تھی پہلے بھی۔'' نظریں چرا کے پلیٹ اپنی طرف کھسکائی۔ ناسی لیما کی خوشبو بھوک بڑھا رہی تھی۔ چاولوں کے ساتھ مونگ پھلی کا سالن۔ اس نے ایک چمچ منہ میں ڈالا تو ماں کے ہاتھ کا ذائقہ یاد آیا۔ ساتھ ہی

قدیم ملاکہ کے سارے کھانے۔ گراس ہوپرز سے محل کے لوازمات تک۔ ایک فلم سی چل گئی۔

''فاتح صاحب سے جو بات کرنے گئے تھے' وہ کرلی؟''

''وہ....'' ایڈم نے نوالہ نگلتے ہوئے یاد کیا۔ ''ہاں جی' وہ کرلی۔''

''کون سی بات؟'' محمد صاحب نے اخبار سے نظر ہٹائے بغیر پوچھا تو ابیو سامنے والی کرسی کھینچتے ہوئے بولی۔

''کل جلدی میں جب نکلا تھا تو کہہ رہا تھا کہ وہ جو امیر زادی فاتح صاحب کے خاندان کو ٹکرائی ہے' اس کی اصلیت کھولنے جا رہا ہے۔ وہ شاید کوئی مجرمانہ عزائم رکھتی تھی۔''

''اوہ.. ایسے لوگوں کو ضرور بے نقاب کرنا چاہیے. تم نے اچھا کیا!''

ایڈم نے زور سے گلاس میز پہ رکھا۔

''وہ....وہ ایسی نہیں ہے۔ مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔'' جلدی سے تردید کی۔ گال گلابی ہو گئے۔

''مگر تم خود تو کہہ رہے تھے کہ اس کو تم نے نوکرانی بنے دیکھا تھا اور اب وہ امیر بننے کی اداکاری کر رہی ہے۔''

''وہ....نوکرانی....نہیں ہے' ابیو۔ وہ واقعی....واقعی اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ سمجھ لیں ملک کے سب سے اعلیٰ خاندان سے۔'' اس کو وہ الفاظ نہیں مل رہے تھے جن سے وہ سچ کے دائرے میں رہ کے اپنا راز محفوظ رکھتے ہوئے جواب دے سکے۔

''یا اللہ ایڈم....اگر ایسی بات تھی تو اتنے دن سے خود کو پریشان کیوں کر رہے تھے اس کے پیچھے؟''

''میں چلتا ہوں' ابیو۔'' وہ ہاتھ صاف کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ مزید بیٹھا رہا تو شاید گھبرا جائے۔ وہ تو اس ڈر سے ماں باپ سے گلے بھی نہ ملا تھا کہ وہ شک میں نہ پڑ جائیں۔

''نوکری ڈھونڈنے جا رہے ہو؟''

سوال پہ وہ ٹھٹکا۔ نوکری؟ اس کے پاس نوکری نہ تھی؟

وہ بے روزگار تھا؟ وہ شاہانہ وظیفے پہ مامور شاہی مورخ نہ تھا؟

اوہ....اسے تو اس دنیا میں نوکری بھی ڈھونڈنی تھی اور اس کی شادی بھی ہونا تھی۔ ایک دم کندھوں پہ بہت سا بوجھ آن گرا۔

''آ......جی....میں....'' وہ ہکلایا۔ پھر باپ کو دیکھا۔ ''بابا....مجھے کچھ پیسے چاہیے تھے' موبائل گم گیا ہے تو نیا لینا ہے۔''

''کیسے گم گیا؟'' انہوں نے اخبار رکھی بٹوہ نکالتے ہوئے پوچھا۔

''ملاکہ میں چھن گیا۔'' اس نے تھوک نگلا۔ پیسے لے کر اس کو جلد از جلد گھر سے نکلنا تھا تاکہ وہ سنبھل سکے۔ وہ تو ان سے نظریں تک نہیں ملا پا رہا تھا۔

2016 کا کے ایل پہلے کبھی اتنا مشکل نہیں تھا جتنا آج لگ رہا تھا۔

☆......☆......☆

کے ایل پہ دوپہر اتری تو پارک کی جھیل دھوپ میں چمکنے لگی۔ اطراف میں دور دور تک گھاس پھیلا تھا۔ ایک طرف درخت تھے اور سامنے لمبا ٹریک۔ ٹریک کے ساتھ بنچ رکھا تھا جس پہ وہ بیٹھی تھی۔ ہاتھ میں نیا فون پکڑ رکھا تھا۔ سیاہ لمبی اسکرٹ بلاؤز پہ سرخ منی کوٹ پہنے' سنہری بالوں کو کھولے' سر پہ ترچھا کر کے سفید ہیٹ پہنے' وہ منتظر سی دائیں طرف ٹریک کو دیکھ رہی تھی جب بائیں طرف سے ایڈم چلتا ہوا آیا اور اس کے ساتھ بیٹھا۔

تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

ڈریس شرٹ پہنے' کف کے بٹن بند کیے' چھوٹے چھوٹے بالوں میں وہ سنجیدہ سا نظر آتا تھا۔

''تم مجھے تعظیم پیش کیے بغیر ہی بیٹھ گئے۔'' شہزادی کی طبع پہ یہ بات ناگوار گزری تھی۔ ایڈم نے جل کے اسے دیکھا۔

''آپ غالباً ابھی تک قدیم ملاکہ سے واپس نہیں آئیں۔'' طنز کر کے بولا تو اس نے گہری سانس لی اور جھیل کو دیکھنے لگی۔

''شاید واقعی.... میں واپس نہیں آئی۔ ذہن ابھی تک اسی جگہ مقید ہے۔ خوشی سے نہیں' عادت سے۔ کے ایل کو دوبارہ سمجھنے میں ذرا وقت لگے گا۔''

اس کی بات ایڈم کو بھی اداس کر گئی۔

''میں نے تو بال اس لئے کٹوا لیے تاکہ سب کی نظریں بالوں پہ جائیں اور رنگ پہ نہیں۔ مگر ماں نے فوراً سے بھانپ لیا کہ میری رنگت اچھی ہو گئی ہے۔''

''ہاں.... چھ سو سال پہلے کی خالص خوراک نے ہمیں کافی صحت مند بنا دیا ہے۔''

''پانچ سو ستاون سال' چے تالیہ۔'' وہ بگڑ کے بولا۔ تالیہ نے پہلے اسے گھورا۔ پھر اس کے دائیں ہاتھ کو۔ لیکن پھر ضبط کے گھونٹ بھر کے رہ گئی۔

''کبھی کبھی سچ بولنا کتنا مشکل ہوتا ہے' چے تالیہ۔ میں چاہ کے بھی ماں اور بابا کو نہیں بتا سکتا کہ میں کل ایک رات میں کن زمانوں سے پھر آیا ہوں۔''

''میں بھی داتن کو کچھ نہیں بتا سکتی۔ کوئی ہمارا یقین نہیں کرے گا' ایڈم۔''

''آپ تو شاید اتنے رازوں کے ساتھ رہ سکتی ہیں مگر میرے لئے یہ چھپانا مشکل ہے۔ اس لئے کچھ وقت گھر سے باہر رہوں گا تاکہ جب تک نارمل نہیں ہو جاتا' ماں سے کم سے کم سامنا ہو۔'' پھر اس نے یاسیت سے تالیہ کو دیکھا۔ ''ہم نارمل ہو جائیں گے نا' چے تالیہ؟''

وہ جواباً اسے دیکھ کے مسکرائی۔

''وقت سب سے بڑا مرہم ہے' ایڈم۔ وقت بہت کچھ خود ہی ٹھیک کر دیتا ہے۔''

''وقت!'' ایڈم نے گہری سانس لی۔

''تمہاری وان فاتح سے بات ہوئی؟'' اسے خیال آیا تو پوچھنے لگی۔ ایڈم نے نفی میں سر ہلایا۔

''مجھ سے ان کا نمبر کھو گیا ہے۔ آپ کی طرح کوئی آئی کلاؤڈ اکاؤنٹ تو ہے نہیں مجھ غریب کا جو سارے کانٹیکٹس محفوظ ہوں۔ ای میل بھی نہیں کی انہوں نے۔ میرے پاس تو آپ کا نمبر بھی نہیں تھا۔''

''شکر مجھ امیر کے سارے کانٹیکٹس محفوظ تھے۔ اسی لئے تمہیں کال کر لی۔'' جل کے بولی۔ پھر گہری سانس بھری۔ ''ان کو کال کی تھی میں نے لیکن ان کا نمبر آف جا رہا ہے۔ امید ہے بخیریت ہوں گے۔''

''چے تالیہ۔'' ایڈم بنچ پہ بیٹھا بیٹھا اس کی طرف گھوما۔ چہرے پہ الجھن تھی۔ ''آپ کو نہیں لگتا وان فاتح ہم سے کچھ چھپا رہے ہیں۔''

''مجھے لگتا ہے وہ ڈسٹرب ہیں۔ انہوں نے اپنی بیوی کو....''

''اگر وہ بیوی کی وجہ سے ڈسٹرب ہیں تو اس دن ہوتے جب آپ سے نکاح کیا تھا۔ مگر وہ اس وقت سے ڈسٹرب ہیں جب سے وہ مراد راجہ کے ساتھ سن باؤ کے گھر آئے تھے۔ یہ آپ کے ولن نما والد نے ضرور کچھ کیا ہے میں بتا رہا ہوں۔''

''مجھے بھی یہی شک ہے لیکن ایک بات میں نے ان چار ماہ میں سیکھی ہے ایڈم' کہ وقت کے ساتھ سچ خود ہی سامنے آ جاتا ہے۔ وقت اور سچ کا لین دین چلتا رہتا ہے۔'' وہ مطمئن تھی۔

''پتہ نہیں کیا بات ہے۔ مجھ سے تو وہ بات ہی نہیں کر رہے تھے۔'' وہ پھر سے خفا ہوا۔

''اپنے احساسِ کمتری سے نکل کے جینا سیکھو' ایڈم۔ اور ہم نے بھی تو ان سے خزانے والی بات چھپائی ہے نا۔ پھر اگر انہوں نے کچھ چھپا بھی لیا تو....؟''

ایڈم نے چونک کے بنچ کے دوسرے سرے پہ بیٹھی ترچھے ہیٹ والی لڑکی کو دیکھا۔'

'ہاں وہ خزانہ....وہ کب نکالیں گے ہم؟ وہ تو فاتح صاحب کے گھر میں ہے۔''

''تالیہ کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔ پلان اے' بی' سی' سب تیار ہیں۔ نہ صرف ہم خزانہ نکالیں گے' بلکہ اس کو بلیک مارکیٹ میں بیچ کے امیر بھی ہو جائیں گے۔''

''پھر مجھے کسی نوکری کی ضرورت نہیں ہوگی۔'' ایڈم نے سکون کا سانس لیا۔

''ہاں' اور پھر تم خوب شاندار طریقے سے اپنی شادی کرنا۔''

''شادی؟'' وہ چونکا۔ ''ہاں...دو ماہ بعد میری شادی ہے۔''

''مجھے کتنا الزام دیتے تھے کہ تمہاری شادی میری وجہ سے نہیں ہو پائی۔ شکر ہے اب یہ الزام تو نہیں دے سکو گے۔''

''اگر میری شادی نہ ہوئی تو الزام آپ کے ہی سر ہو گا' چے تالیہ۔'' وہ زیرِ لب بولا مگر تالیہ سن نہ سکی۔ وہ پرس اٹھاتے ہوئے کھڑی ہو رہی تھی۔

''فاتح صاحب سے ملنے چلتے ہیں کسی دن۔ ان کے ارد گرد لوگ بہت ہوتے ہیں اس لئے یوں ایک منہ اٹھا کے نہیں جا سکتے۔ بلکہ ....'' اسے یاد آیا۔ ''نیلامی پہ چلتے ہیں دونوں۔ وہاں ملاقات ہو جائے گی ان سے۔ اور پھر ہم ان سے پرائیوٹ ملاقات کے لیے وقت مانگ لیں گے۔'' پھر وہ ذرا سا ہنسی۔ ''وہ وان فاتح جن سے ملنے کے لئے ایک دنیا کئی کئی ہفتے پہلے سے اپائنٹمنٹ لیتی ہے' ان کو اب فوراً ہمیں اپائنٹمنٹ دینی پڑے گی۔ کیونکہ دنیا والے نہیں جانتے کہ ہم نے ایک زمانے کا سفر ایک ساتھ کیا ہے۔'' اس کے انداز پہ ایڈم بھی مسکرا کے اٹھا۔

''اچھا تو میں نیلامی میں آپ کا پلس ون بن کے جاؤں گا۔''

تالیہ نے گھور کے اسے دیکھا۔ ''مت بھولو کہ میں شہزادی ہوں اور تم وہ قیدی جس کا....''

''جس کے دائیں ہاتھ پہ آپ بری نظر رکھنا چھوڑ دیں تو بہتر ہو گا' چے تالیہ بنتِ مراد۔'' وہ اعتماد سے کہتا اس کے مقابل کھڑا ہوا۔ ''یہ دو ہزار سولہ کا کے ایل ہے۔ اور ہم ایک جمہوری ملک میں رہتے ہیں۔ یہاں سارے شہری برابر ہوتے ہیں۔ میں اور آپ....ہم یہاں برابر ہیں۔ آپ یہاں شہزادی نہیں ہیں۔''

وہ بنچ کے ساتھ کھڑے تھے۔ دائیں ہاتھ وسیع جھیل تھی جس کا پانی دھوپ میں چمک رہا تھا۔ تالیہ نے دھوپ کے باعث ماتھے پہ ہیٹ سیدھا کیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کے مسکرائی۔

''شہزادی نہ سہی' میں ملک کے اگلے وزیرِ اعظم کی بیوی ضرور ہوں' ایڈم۔ تمہاری فرسٹ لیڈی۔ چاہے تھوڑے دن کے لئے ہی سہی۔''

ایڈم پہ گھڑوں پانی پڑ گیا۔ دل ڈوب کے ابھرا۔

''میں چاہوں گا کہ آپ ہمیشہ فرسٹ لیڈی رہیں اور یہ مقام وہ آپ سے کبھی واپس نہ لیں۔''

''ارے چھوڑو ایڈم۔ میں ایسے خواب نہیں دیکھتی۔ بس ہم ساری عمر دوست رہیں' اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ بھلے وہ کل ہی مجھے چھوڑ دیں۔'' پھر رخ موڑ لیا۔ آنکھوں میں تکلیف سی ابھری تھی۔ ''وہ اگر تمہیں میرے لئے کوئی پیپر ای میل کریں تو مجھے بتا دینا۔'' ہیٹ درست کرتی' بیگ کندھے پہ لٹکاتی' وہ ٹریک کی طرف بڑھ گئی۔

ایڈم اداسی سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔ نئے زمانے کی نئی پیچیدگیاں۔

☆......☆......☆

نیلامی کی تقریب عصرہ اور فاتح کی رہائشگاہ پہ منعقد ہوئی تھی۔ سنہری اور سفید رنگ سے سارے میں آرائش کی گئی تھی۔ لان میں کرسیاں دو قطاروں کی صورت سجائی گئی تھیں اور درمیان میں گزرنے کا راستہ تھا۔ دوسری طرف بفے ٹیبلز لگی تھیں۔ جگہ جگہ سجے سفید اور سنہری پھولوں کے گلدستے تقریب کو ایک باوقار رنگ دے رہے تھے۔

تقریب کا ابھی آغاز ہوا تھا۔ بہت سے مہمان آ چکے تھے مگر بہت سوں نے آنا تھا۔ ڈرنکس سرو کی جا رہی تھیں اور لوگ ٹولیوں کی صورت لان میں پھیلے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

عصرہ لان کے دہانے پہ بچھے سرخ کارپٹ پہ استقبالی انداز میں کھڑی مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہی تھی۔ ساتھ موجود ملازمائیں ہر آنے والے کو راستہ دکھاتیں۔ عصرہ کے ساتھ اس کا بیٹا سکندر کھڑا تھا۔ گیارہ سال کا لڑکا سوٹ اور ٹائی پہنے بڑا بڑا لگ رہا تھا۔ ماں کی طرح وہ بھی مہمانوں کا استقبال کر رہا تھا۔

تالیہ اور ایڈم جب کار سے اتر کے کھلے گیٹ سے اندر آئے تو سرخ کارپٹ کے سرے پہ کھڑی عصرہ نے دور سے ان کو دیکھ لیا تھا۔ مسکرا کے وہ چند قدم آگے آئی۔ بالوں کو نفاست سے جوڑے میں باندھے' موتیوں کی لڑی گردن میں پہنے' وہ سفید اور سنہری باجو کرنگ میں ملبوس تھی اور سنہری اسٹول کندھے پہ پن سے جما رکھا تھا۔ میک اپ سے سجی سنوری وہ بہت دلکش لگ رہی تھی۔

جیسے جیسے وہ قدم اس کی طرف بڑھا رہی تھی' تالیہ کے اندر اداسی پھیلنے لگی۔

عصرہ نہیں جانتیں کہ فاتح اور میں نے.... پھر اس نے سر جھٹکا اور مسکرا کے آگے بڑھی۔ عصرہ اس سے گال سے گال ٹکرا کے گلے ملی۔ پھر علیحدہ ہو کے ستائشی نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم بہت اچھی لگ رہی ہو تالیہ۔ تمہارے آنے سے مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔''

تالیہ جواباً دقت سے مسکرائی۔ اس نے سنہری رنگ کی انڈین ساڑھی باندھ رکھی تھی جس کے آستین کلائی سے ذرا پیچھے تک ختم ہوتے تھے۔ سنہری بالوں کو گھنگریالہ کر کے چہرے کے ایک طرف ڈالے وہ قدیم ملاکہ سے لائے گئے ننھے ٹاپس اور ہیرے کا لاکٹ پہنے ہوئے تھی۔ عصرہ کی نظر اس کے سجے سنورے چہرے سے ہوتی زیور پہ جا ٹھہری.... لیکن مزید تعریف کرنا اس کی شان کے خلاف تھا۔ بس مسکرا کے ساتھ کھڑے نوجوان کو دیکھا تو چونکی۔

وہ سیاہ کوٹ پینٹ اور سفید شرٹ میں ملبوس' کٹے ہوئے بالوں والا' قدرے غیر آرام دہ نظر آتا تھا' ایڈم تھا۔

''ایڈم!'' اس کے ابرو تعجب سے اٹھے۔

''ایڈم سے آپ کی طرف ملاقات ہوئی تو اس نے بتایا کہ اس کی جاب ختم ہو گئی ہے۔ اب میں اس کو اپنے ساتھ رکھتی ہوں تاکہ اس کی جاب کا بندوبست کر سکوں۔ ہم اچھے دوست بن گئے ہیں' اس لئے میں نے....''

''اچھا کیا تم اس کو لے آئی۔ اچھا لگا تمہیں دیکھ کے ایڈم!'' عصرہ جبراً مسکرائی۔ اگر اسے اچھا نہیں بھی لگا تھا تو اس نے ظاہر نہیں کیا۔

عصرہ دوسرے مہمانوں کی طرف متوجہ ہوگئی اور وہ دونوں آگے لان تک آئے تو ایڈم نے جھک کے سرگوشی کی۔ ''مسز عصرہ نے مجھے وقت سے پہلے نوکری سے نکال دیا تھا تاکہ میں فاتح صاحب کے سامنے ان کا بھانڈا نہ پھوڑ دوں کہ اس روز آپ کی کار میں واپس کرنے گیا تھا۔ انہوں نے فاتح صاحب کو بتایا تھا کہ کار آپ خود لینے آئی تھیں اور آپ نے فائل چرالی۔''

''مگر عصرہ کی سازشیں ناکام ہوئیں کیونکہ ہم وان فاتح کو جنگل میں ساری حقیقت بتا چکے ہیں۔ امید ہے اب تک فاتح صاحب نے گھائل غزال کو بھی نیلامی سے ہٹا دیا ہوگا کیونکہ وہ نقلی ہے اور اشعر اس کو بکوا کے عصرہ اور فاتح کو بدنام کرنا چاہتا ہے۔'' تالیہ بظاہر مسکرا کے اطراف میں دیکھتی زیرِ لب کہہ رہی تھی۔ وہ دونوں لان کے سرے پہ کھڑے تھے اور اس کی نظریں مسلسل کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔

''وہ رہی آپ کی بنائی گئی پینٹنگ۔'' ایڈم نے نیلامی کی کرسیوں کے سامنے اسٹیج پہ رکھے عصرہ کے پورٹریٹ کی طرف اشارہ کیا تو وہ چونکی۔ وہ خوبصورت پورٹریٹ اپنے سارے وقار کے ساتھ آویزاں ہر ایک کی توجہ کھینچ رہا تھا۔ اسے بے اختیار کچھ یاد آیا....

(قدیم ملاکہ کا محل....سبزہ زار پہ بنی لکڑی کی کینوپی ....اس پہ براجمان ملکہ یان سوفو....اور سامنے بیٹھی شہزادی اس کو ایک پورٹریٹ دکھا رہی تھی....ملکہ کی تصویر.....)

تالیہ نے سر جھٹکا۔ یہ قدیم ملاکہ بار بار کیوں یاد آجاتا تھا؟

''اور وہ رہے وان فاتح۔''

''کدھر!'' اس نے بے قراری سے ایڈم کے اشارے کے تعاقب میں دیکھا۔

قدرے فاصلے پہ ایک پھولوں سے سجا ستون تھا اور اس کے ساتھ فاتح کھڑا تھا۔ اشعر اور اس کا باڈی مین عبداللہ بھی ساتھ کھڑے تھے۔ تینوں کے ہاتھوں میں گلاسز تھے اور وہ کسی بارے میں بات کر رہے تھے۔

تالیہ کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

وہ سیاہ کوٹ کے اندر سفید شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ شیو بنائے' بال دائیں طرف کو جمائے' وہ مسکراتے ہوئے کچھ کہہ رہا تھا۔ ازلی پرسکون انداز' ازلی شاہانہ مسکراہٹ۔ گلاس پکڑے ہاتھ پہ بینڈ تیج لگا تھا۔ چہرے کے زخم مندمل تھے البتہ کنپٹی پہ مدھم سا کٹ یہاں سے بھی نظر آرہا تھا۔

وہ ایڈم کو یکسر بھلائے کسی خواب کی سی کیفیت میں اس کی طرف بڑھی۔ کلچ تھامے' سنہری ساڑھی سنبھالتی وہ گھاس پہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا رہی تھی۔

وہ جدید کے ایل میں یوں پہلی دفعہ ملیں گے۔ اتنے لوگوں کے درمیان۔

وہ اسے دیکھ کے مسکرائے گا؟

یا بعد میں ملنے کا کوئی اشارہ کرے گا؟

یا کوئی معنی خیز بات مسکرا کے کہے گا جس کا مطلب صرف وہ دونوں جانتے ہوں گے...؟

.وہ قدم اٹھا رہی تھی...

اس پارٹی میں موجود یہ تمام با اثر طاقتور لوگ نہیں جانتے تھے کہ وہ دونوں کس دنیا کے ساتھی تھے....

وہ قریب آ رہی تھی جب کوئی صاحب آئے اور فاتح سے ہاتھ ملایا۔ اس نے گرمجوشی سے ہاتھ تھاما تو ان کی نظر اس کے پٹی زدہ ہاتھ پہ گئی۔ پھر کنپٹی کے زخم پہ۔

''اوہ آپ ٹھیک ہیں' سر؟ یہ کیا ہوا؟''

''ارے یہ کچھ نہیں ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے شانے اچکائے۔ ''رات کو باتھ روم کے لئے اٹھا تو اندھیرے کے باعث ٹھوکر لگ گئی۔''

''الیکشن قریب ہیں' سر۔ ٹھوکروں سے اجتناب کریں۔''

جواباً وہ تمام افراد ہنس دیے۔ اشعر نے تالیہ کو نہیں دیکھا تھا' وہ ان صاحب کو گرمجوشی سے ملتا انہیں لئے آگے بڑھ گیا تو پل بھر کے لئے فاتح اور باڈی مین عبداللہ تنہا رہ گئے۔ وہ قریب آ چکی تھی۔ مسکرا کے ذرا سا کھنکاری۔

''شام بخیر... تو انکو!''

وان فاتح گلاس سے گھونٹ بھر رہا تھا۔ آواز پہ چہرہ موڑا' اسے دیکھا اور گلاس نیچے کیا۔ پھر سنجیدگی سے سر کو بس خم دیا۔

''آپ کو پینٹنگز کی یہ نیلامی دیکھ کے کبھی خیال آتا ہے فاتح صاحب... کہ قدیم زمانوں میں انسانوں کی بھی اسی طرح نیلامی ہوا کرتی ہوگی؟'' وہ مسکراہٹ دبائے معنی خیزی سے بولی۔

فاتح نے نظریں گھما کے گہرے انداز میں دیکھا' پھر مسکرایا۔ یہ مسکراہٹ کافی سرد تھی۔

''میرا جواب انکار میں ہے' تاشہ!''

''جی؟'' اس کی مسکراہٹ سمٹی۔

''نہیں' میں تمہیں اپنا گھر نہیں بیچ رہا۔ نہ میں کبھی دوبارہ تمہیں اس گھر میں خوش آمدید کہوں گا۔ اس روز تم عصرہ کے ساتھ ملا کہ آ گئیں' میں خاموش رہا۔ میری چھٹی Spoil ہوئی' میں نے برداشت کیا' لیکن میں یہ نہیں بھولا کہ تم نے اشعر کے لئے اس گھر کی فائل کے ساتھ کیا کیا تھا۔ اس لئے میرا جواب انکار میں ہے۔'' وہ سپاٹ لہجے میں دوٹوک کہہ رہا تھا۔

وہ بالکل ٹھہر کے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ آنکھوں میں اچنبھا لئے' ابرو حیرت سے اکٹھے کیے۔ وہ واقعی نہیں سمجھی تھی۔

''سوری' فاتح صاحب' مگر وہ گھر....''

تبھی عبداللہ کے ہاتھ میں پکڑا فون بجا تو اس نے جھٹ فاتح کو تھما دیا۔

وہ تالیہ کو نظر انداز کر کے فون کان سے لگائے بات کرنے لگا۔

''جی جی....میں نے نمبر چینج کیا ہے۔ میرا فون کہیں کھو گیا ہے' مل نہیں رہا تھا۔ جی مجھے آپ کا پیغام ملا تھا۔'' وہ مسکرا کے کسی سے بات کر رہا تھا۔ وہ بنا پلک جھپکے اس کو دیکھتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگی۔ چلتے چلتے وہ ستون کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔ اس کا سارا وجود کان بنا ہوا تھا۔

پھولوں سے ڈھکے ستون کے اس طرف کھڑے فاتح نے فون بند کر کے عبداللہ کو تھمایا تو اس نے رازداری سے پوچھا۔

''سر....مسز عصرہ نے کہا تھا یہ آج کی اسپیشل گیسٹ ہیں۔ کیا ان کے کچھ اور عزائم ہیں؟'' اس نے نہیں دیکھا تھا کہ تالیہ پیچھے جا کھڑی ہوئی تھی۔

''کون؟ یہ تاشہ؟ ہاں یہ عصرہ کی نئی دوست ہے۔ اشعر کے ساتھ انوالوڈ ہے شاید۔ اور میزبانی عصرہ نبھا سکتی ہے' میں نہیں۔ مجھے اس لڑکی سے شدید Dishonest قسم کی وائبز آتی ہیں۔'' اکتاہٹ سے کندھے جھٹک کے کہتا وہ آگے بڑھ گیا۔

وہ گردن موڑ کے شل سی اس کو جاتے دیکھنے لگی۔ اس کا دل بہت آہستہ آہستہ سے دھڑک رہا تھا۔

آگے بڑھتا فاتح گھاس پہ تنہا کھڑے ایڈم کو دیکھ کے رکا۔ پھر ہلکا سا مسکرایا۔

''ایڈم!'' سر سے پیر تک اس کا حلیہ دیکھا۔

ایڈم بھی خوش دلی سے مسکرا کے اپنائیت سے آگے بڑھا۔ ''کیسے ہیں آپ' سر؟'' اس کا چہرہ دمکنے لگا تھا۔

''ایم فائن۔ تم ٹھیک ہو؟'' بس رسماً مسکرا کے کہتا وہ آگے بڑھنے لگا' پھر رک کے ایڈم کو دیکھا۔ ''اس روز میں تمہاری بات نہیں سن سکا تھا شاید۔ تم کیا کہنے آئے تھے؟''

''میں' سر؟ کس روز؟'' ایڈم کو فوری یاد نہیں آیا۔

''جب میں ملاکہ سے جا رہا تھا تو تم نے مجھے روکا تھا۔ تم کچھ کہنا چاہ رہے تھے۔'' وہ جیسے آگے جانا چاہتا تھا مگر مشکل سے چند لمحوں کے لئے بات کرنے رکا تھا۔

''ایڈم آپ سے بات کرنے چھٹی والے دن ملاکہ تک چلا گیا؟'' عبداللہ نے ایک جلن بھری نظر ایڈم پہ ڈالی۔

''سر' میں....'' ایڈم کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ وہ ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ ''آپ نے میری بات سن لی تھی' سر۔''

''اچھا' مجھے لگا شاید وہ بات درمیان میں رہ گئی۔ عجیب تکان بھرا ویک اینڈ تھا یہ۔''

وان فاتح بن رامزل یہ کہہ کے' گلاس تھامے' سر جھٹکتا آگے بڑھ گیا۔

چند ہی لمحوں میں دوسرے کئی مہمان اس کی طرف جانے لگے۔ وہ جہاں جاتا تھا وہاں محفل لگ جاتی تھی۔

صرف دو لوگ تھے جو بالکل شل تھے۔ اپنی اپنی جگہ حیران۔

''ایڈم!'' دفعتاً تالیہ اس کے قریب چلتی آئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک کارڈ تھا۔

''یہ وان فاتح کو کیا ہوا ہے' چے تالیہ؟ شاید وہ لوگوں کے سامنے ہمیں پہچان کے کسی کو شک میں نہیں ڈالنا چاہتے۔''

''ایڈم! یہ دیکھو!'' اس نے کارڈ اس کے سامنے کیا تو اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔

''گھائل غزال نیلامی پہ موجود ہے۔''

''ایں؟ وان فاتح نے اس کو ہٹوایا نہیں؟'' وہ دنگ رہ گیا۔

''ایڈم!'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ ''اپنا ای میل دیکھو۔ انہوں نے تمہیں ای میل کی ہو گی۔''

''اوہ ہاں۔ میں نے تو اس روز سے میل نہیں دیکھی۔ نیا فون ہے نا۔ میں بھول گیا۔'' اس نے جلدی سے فون نکالا اور الجھے الجھے انداز میں اسکرین پہ بٹن دبائے۔ وہ اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔ اردگرد ٹہلتے مہمانوں سے بے نیاز ان دونوں کی نظریں اسکرین پہ جمی تھیں۔

وان فاتح کے نام سے میل سامنے پڑی تھی۔ یہ آج صبح کی تاریخ میں وصول ہوئی تھی۔ ایڈم نے دھڑکتے دل سے اس کو دبایا۔

ایک طویل پیغام کھل گیا۔

بے قرار آنکھوں نے پڑھنا شروع کیا۔

''ڈیئر ایڈم....

جس وقت میں یہ ای میل لکھ رہا ہوں' رات کے پونے بارہ بجے ہیں' اور تاریخ سولہ جولائی ہے۔ تم دونوں ابھی ابھی میرے گھر سے نکلے ہو بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وانگ لی کے گھر سے۔ وہ گھر جہاں ہم نے خود کو کھو کے دوبارہ پایا ہے۔

میں اس ای میل کو اپنے ای میل اکاؤنٹ کی بجائے ایک ویب سائٹ سے بھیج رہا ہوں اور اس کو شیڈیول کر رہا ہوں تاکہ یہ تمہیں تین دن بعد ملے۔ شکر کہ سکندر نے مجھے یہ کام کرنا سکھا رکھا تھا کیونکہ اگر ابھی یہ میل تمہیں ملی اور تم نے دیکھ لی تو تم دونوں واپس آ جاؤ گے اور جو ہونے جا رہا ہے اس کو روکنے کی کوشش کرو گے جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور اپنے ای میل سے اس لئے نہیں بھیج رہا تاکہ تم اس کا جواب نہ دے سکو اور مجھے کبھی یہ میل دوبارہ اپنے اکاؤنٹ میں واپس نہ ملے۔

میں اتنے دن سے تمہیں نظرانداز اسلئے نہیں کرتا تھا کہ تم سے بات نہیں کرنی تھی' بلکہ اس لئے کہ تم ہی سے تو بات کرنی تھی۔ تمہارا اور میرا تعلق اس سے مختلف ہے جو تالیہ اور میرا تھا۔ میں نے الوداعی لمحات میں تمہیں کوئی نصیحت اس لئے نہیں کی کیونکہ تم تجربے سے سیکھنے

کے عادی ہو۔ امید ہے تالیہ تمہارا خیال رکھے گی اور تم اس کا۔

مجھے یہ ای میل لکھنے کی نوبت اس لئے پیش آئی کیونکہ ہمارے سارے مطالبے ماننے کے لئے مراد راجہ نے میرے سامنے ایک شرط رکھی تھی اور میں نے وہ شرط مان لی تھی۔ اس لئے کیونکہ میں نے تم لوگوں سے صرف واپس لے جانے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کے بعد کے ساتھ کا نہیں.....

☆......☆......☆

مراد راجہ اور وان فاتح میز پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ درمیان میں موم بتی جل رہی تھی اور مراد کرسی سنبھالے آگے ہو کے اس کی آنکھوں میں دیکھتا مسکرا رہا تھا۔ فاتح نے ابرو بھینچے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کیا شرط ہے تمہاری؟"

جواباً مراد نے حقے کا کش بھرا اور منہ سے دھواں چھوڑا.... مرغولے سے بن کے اوپر فضا میں اٹھنے لگے۔ پھر وہ کھلے دل سے مسکرایا۔

"وہ دروازہ تم نے کھولا تھا نا؟ چابی تم نے جوڑی تھی نا؟"

"ہاں۔"

"نہیں جوڑنی چاہیے تھی۔ تم نے یہ کر کے چابی کا چکر خراب کر دیا ہے۔"

"کام کی بات پہ آؤ، راجہ۔ لمبی کہانیاں مت سناؤ۔"

راجہ نے حقہ پرے دھکیلا اور گویا ہوا۔

"میری شرط صرف یہ ہے کہ دروازہ اب بھی تم ہی کھولو گے اور اس چکر کو مکمل کر دو گے۔ مگر پہلے تمہیں یہ چابی اس بوتل سے نکال کے جوڑنی ہوگی۔ اور اس سے بھی پہلے تمہیں یہ مشروب پینا ہوگا۔"

فاتح نے ایک گہری نظر بوتل پہ ڈالی جو بے رنگ مائع سے بھری تھی۔ سکہ اور ڈلی پیندے میں پڑے تھے۔ "اور اس سے کیا ہوگا؟" مشکوک انداز میں مراد کو دیکھا۔

"جب دروازہ کھولنے کے بعد چابی ٹوٹے گی تو وہ لمحہ امر ہو جائے گا۔ اور کفارہ پورا ہو جائے گا۔"

"کس چیز کا کفارہ؟"

"چابی کا چکر خراب کرنے کا کفارہ۔ کیا تم اب بھی نہیں سمجھے؟ چلو دیکھو...."

وہ نرمی سے سمجھانے لگا اور فاتح تنے ہوئے اعصاب کے ساتھ اسے دیکھے گیا۔

"تمہیں وہ لمحہ یاد ہے جب تم نے چابی جوڑی تھی؟"

''ہاں۔ میں اپنی سواری میں بیٹھا تھا اور میرا دوست میرے پاس وہ چابی لے کر آیا تھا اور میں نے دونوں ٹکڑوں کو جوڑ دیا تھا۔ پھر؟''

''وہ بھی ایک امر لمحہ تھا۔ اس لمحے سے لے کر اس چابی کے دوبارہ ٹوٹنے تک کا وقت تمہارا کفارہ ہوگا' اور وہ وقت .... تمہارے ذہن سے محو ہو جائے گا۔''

فاتح پیچھے کو ہوا۔ اور بے اختیار ابرو اٹھایا۔ ''تمہارا مطلب ہے کہ یہ سارا وقت جو میں نے قدیم ملاکہ میں گزارا ہے .... میں اسے بھول جاؤں گا؟''

''میرا مطلب یہ ہے کہ چابی خود جوڑنے کے بعد کا جتنا وقت تم نے گزارا ہے' وہ ہمارے اصول کے مطابق ایک ناجائز وقت تھا۔ اس کا کفارہ صرف یہی ہے کہ جو بھی دوبارہ اس چابی کو جوڑ کے دروازہ کھولے گا' چابی کے ٹوٹنے کے بعد وہ اس ناجائز وقت کو بھلا دے گا۔ یہ چابی ایک شخص کے لئے تھی۔ یہ تالیہ کے لئے تھی۔ تم نے اس کو جوڑ کے غلط کیا۔ اور یہی تمہارا کفارہ ہے۔''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' اس نے ناگواری سے بھنویں بھنچیں۔ ''کوئی اور راستہ بھی ہوگا وقت میں واپس جانے کے لئے۔''

''فاتح بن رامزل!'' وہ ہتھیلیاں میز پہ جمائے مزید آگے ہوا اور سرخ پڑتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''تم میری بیٹی سے شادی کرو گے' میرے محل کے باہر لوگوں کو بٹھا دو گے' مجھے سلطان کے سامنے رسوا کرو گے' تو تمہارا خیال ہے کہ میں تمہیں دوسرے راستے دکھاؤں گا؟ نہیں۔ اگر تمہیں واپس جانا ہے تو اس کا ایک یہی راستہ ہے۔ ورنہ میں بغاوت کر دوں گا۔ سلطان کو مار دوں گا اور پھر مجھے کسی چھپے ہوئے نکاح کا ڈر نہیں ہوگا۔''

کمرے میں گہرا سکوت چھا گیا۔ فاتح کا ذہن ان الفاظ کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''اور میرے سب بھول جانے سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟''

اب کے مراد معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ ''تالیہ واپس آ جائے گی!''

فاتح کے ماتھے پہ بل گہرے ہوئے۔

''تالیہ .... کبھی واپس نہیں جائے گی۔''

''تم میری بیٹی کو نہیں جانتے۔ میں اسے جانتا ہوں۔ اس نے چار ماہ ایک محل میں حکومت کی ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے' وہ واپس جا کے عام سی زندگی گزار لے گی؟ نہیں فاتح .... طاقت میں بڑی کشش ہوتی ہے۔ حکمرانی ایک نشہ ہے جس کی تڑپ روح نکلنے کے ساتھ ہی جاتی ہے' اس سے پہلے نہیں۔ اس نے طاقت کے پیالے کو چکھ لیا ہے' وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکے گی۔''

''اچھا۔ اور میں سب بھول جاؤں گا تو وہ مجھ سے مایوس ہو کے تمہارے پاس آ جائے گی؟''

''ایسا ہی ہوگا۔ کیونکہ تم نے خود کہا تھا' میری بیٹی کی موت ہمارے اسی زمانے میں لکھی ہے۔ سمندری سفر پہ۔ وہ سمندری سفر ابھی

''آنا' ہے فاتح ... ہے نا۔''

اس نے جواب نہیں دیا۔ بس ضبط سے اس کو گھورتا رہا۔

''اور اگر میں یہ نہ مانوں تو؟ اگر میری جگہ تالیہ دروازہ کھولے تو؟''

''تو وہ اس امر لمحے سے لے کر چابی کے دوبارہ ٹوٹنے تک کا سارا وقت بھول جائے گی۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔''

''یعنی جو بھی دروازہ کھولے گا' وہ سب بھول جائے گا۔ اور اپنی زندگی میں یوں واپس چلا جائے گا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں!'' اس کی آواز میں اضطراب چھلکا۔

''ہاں۔ اب یہ تم پہ منحصر ہے کہ تم یہ قربانی خود دیتے ہو یا تالیہ کو آگے کرتے ہو۔''

''اور تم ہمارے جاتے ہی تالیہ کے منتظر ہو گے۔ مگر تمہارا 'انتظار' انتظار ہی رہے گا' مراد۔ جتنے برس انتظار کرو' وہ نہیں آئے گی۔''

''تم بھول رہے ہو کہ وقت یہاں بھی ٹھہر جائے گا۔ وہ تمہاری دنیا میں جتنے برس گزارے' میری دنیا میں جب وہ آئے گی تو وہ اسی دن' اسی پل واپس آئے گی۔ میں مرسل شاہ سے اس کی شادی منسوخ نہیں کر رہا۔ تم اپنی دنیا میں میری شہزادی بیٹی کو جتنے برس روکنا چاہو' روک لو۔ اور آخر میں وہ ہمارے ملاکہ واپس آ جائے گی اور ملکہ بنے گی۔ میں نے کہا نا' تم مراد راجہ کو نہیں ہرا سکتے۔''

''اور اگر اس سب کے باوجود وہ واپس نہ آئی تو؟''

''یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے' وان فاتح ... تم نے تو صرف یہی فیصلہ کرنا ہے کہ کیا تم اس چابی کو (بوتل کی طرف اشارہ کیا) پانے کے لئے یہ قربانی دے سکتے ہو؟'' مراد مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

فاتح نے ہلکی سی نظریں موڑیں۔ کمرے کے کونے میں آریانہ کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس نے نفی میں سر ہلایا' گویا اسے روکا ہو۔

''ڈیڈ... آپ اس کی بات نہ مانیں۔ ایڈم کو یہ مشروب پینے دیں۔ اگر وہ سب بھول بھی جائے تو کیا ہو گا؟ مگر آپ کو یہ نہیں بھولنا چاہیے۔ نہ ہی تالیہ کو بھولنا چاہیے۔'' وہ منت کر رہی تھی۔ فاتح نے اس کو نظر انداز کیا۔

''ٹھیک ہے۔ مجھے منظور ہے۔'' اس نے بوتل اپنے قریب کی۔

''یعنی تم سب بھلا دینے پہ راضی ہو۔'' مراد مسکرایا۔ ''پوچھ سکتا ہوں کیوں؟''

''تم مجھے نہیں جانتے راجہ۔ میں کیا کر رہا ہوں اور کیوں کر رہا ہوں۔ یہ تم نہیں سمجھ سکتے۔'' اس نے بوتل کا ڈھکن زور سے باہر کو کھینچا' پھر اسے لبوں سے لگا لیا۔ گھونٹ بہ گھونٹ پانی اندر اترتا گیا۔

اس کا کوئی ذائقہ نہ تھا۔ بے لذت۔ بے سواد۔

مشروب ختم ہوا تو سونے کے دونوں ٹکرے باہر آ گرے۔اس نے آرام سے ان کو اٹھایا اور جوڑ دیا۔چابی جڑتے ساتھ ہی چمکنے لگی۔فاتح نے اس کی زنجیر کو گردن میں پہن لیا اور پھر مراد کو دیکھا۔

''دروازہ کھولنے کے کتنی دیر بعد چابی ٹوٹے گی؟'' وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

''دروازہ کھلتے ہی یہ ہر گزرتے پل بھاری ہوتی جائے گی' یہاں تک کہ تم اس کا بوجھ نہیں اٹھا سکو گے۔اور آخر کار تم اس کو گردن سے نوچ پھینکو گے۔''

''قریباً کتنی دیر بعد؟'' اس نے دہرایا۔''کتنا وقت ہوگا میرے پاس؟''

''قریباً ایک پوری رات۔اس سے زیادہ نہیں۔کیوں؟ تم اس ایک رات میں کیا کرنا چاہتے ہو؟'' مراد نے غور سے اسے دیکھا۔

''ایک رات تو بہت طویل عرصہ ہے راجہ۔یہاں تو ایک لمحے میں دنیا بدل جاتی ہے۔زمانہ پلٹ جاتا ہے۔میں نے کہا نا' تم مجھے نہیں جانتے۔'' اور کرسی دھکیل کے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔اس کے تاثرات پتھر جیسے ہو رہے تھے۔

''اور مجھے معلوم ہے کہ میں یہ کیوں کر رہا ہوں۔''

☆......☆......☆

''ڈیئر ایڈم.....

میں نے راجہ کی شرط مان لی تھی۔واپس آنے کے بعد جب چابی ٹوٹے گی تو میرے ذہن سے یہ گزرے چار ماہ محو ہو جائیں گے۔ میں نے یہ فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگائی کیونکہ یہی ہم تینوں کے لئے بہتر ہے۔

اگر ایڈم تم یہ مشروب پیتے تو تم سب بھول جاتے۔قدیم ملاکہ کے سارے اسباق بھول کے تم وہی عام سی زندگی گزارنے لگتے جو پہلے گزار رہے تھے مگر اب تم وہ زندگی نہیں گزارو گے۔میں نہیں چاہتا تھا کہ تم اپنے اصل کو بھول جاؤ۔

اور اگر تالیہ یہ پیتی تو وہ بھی اسی زندگی کی طرف لوٹ جاتی جس کو اس نے بہت مشکل سے چھوڑ کے اپنے اصل کو دریافت کیا تھا ۔میں اس سے اس کا اصل نہیں چھین سکتا تھا۔

رہا میں تو.... مجھے یہ فیصلہ مشکل نہیں لگا۔میری زندگی پہلے ہی بہت پیچیدہ ہے۔یہ الیکشن ائیر ہے۔مجھے بہت سے کام کرنے ہیں جن کو میری مکمل توجہ چاہیے۔اور قدیم ملاکہ کو بھول جانے سے میری زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ مجھے بھول جانا چاہیے کہ میں نے اپنی بیوی سے بے وفائی کی ہے۔کاغذوں پہ ہی سہی۔

یہ ای میل لکھنے سے قبل میں نے سوچا تھا کہ اس میں تالیہ کے لئے آزادی کا پروانہ لکھ بھیجوں گا' لیکن جیسے جیسے یہ چابی بھاری ہو رہی ہے' مجھے احساس ہو رہا ہے کہ رشتے چاہے صرف کاغذی ہی ہوں' اتنی آسانی سے نہیں توڑے جا سکتے۔تالیہ سے کہنا' میں اب اسے نہیں چھوڑنا چاہتا۔میں اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ایک دن وہ مجھے ہر وہ چیز یاد کروا دے جو میں بھول بیٹھا ہوں۔خود غرضی کہہ لو یا کچھ

بھی، میں تالیہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ میں اسے خود سے مایوس بھی نہیں کرنا چاہتا کیونکہ تب وہ واپس چلی جائے گی۔ میں چاہتا ہوں، وہ میرے ساتھ رہے۔ کیونکہ اسے میری اور مجھے اس کی ضرورت ہے۔

چار ماہ قبل... اس چابی کو جوڑنے سے پہلے میں اسے ایک بد دیانت اور سطحی سوشلائیٹ ''تاشہ'' کے طور پہ جانتا تھا جس نے میری فائل چرائی تھی۔ اگر چیزیں واپس اسی مقام پہ پہنچ جائیں، تب بھی میں چاہوں گا کہ وہ میرے ساتھ رہے۔ بھلے میں اسے ناپسند کروں، اسے دھتکاروں، میں چاہتا ہوں کہ وہ تب بھی میرے ساتھ رہے۔ امید ہے اسے وعدے نبھانے آتے ہوں گے۔

اور میں چاہوں گا ایڈم، کہ تم اپنی زندگی کو دوبارہ سے تعمیر کرنا شروع کرو، لیکن اس دفعہ وہ کوئی عام زندگی نہیں ہونی چاہیے۔ میں تمہاری توقعات کے مطابق راجہ کی بدعنوانی کو بے نقاب نہیں کر سکا کیونکہ میں لیڈر تھا، اور لیڈرز کو مشکل فیصلے کرنے پڑتے ہیں، لیکن تم لیڈر نہیں ہو۔ تم آزاد ہو۔ کسی سمجھوتے، کسی مشکل فیصلے کی بجائے تم بہادر فیصلے لے سکتے ہو۔ میں تمہیں کوئی نصیحت نہیں کرنا چاہتا کیونکہ بہت جلد تم خود سمجھ جاؤ گے کہ اب تمہیں آگے کیا کرنا ہے۔

بارہ بج رہے ہیں اور میری چابی بھاری ہو رہی ہے۔ میں صبح تک ہی اس کا بوجھ سہار پاؤں گا اور تب تک مجھے چند اہم کام کرنے ہیں۔ اپنا اور تالیہ کا خیال رکھنا۔

اور ہاں... میں جانتا ہوں تم دونوں نے سن باؤ کے صحن میں کیا دبایا ہے۔ تالیہ سے کہنا وہ یہ گھر مجھ سے خرید لے اور اپنا خزانہ نکال لے۔ یہ خزانہ تم دونوں کی محنت کی کمائی اور تمہاری صدیوں کی مسافت کی اجرت ہے۔

اور میں چاہتا ہوں کہ تم دونوں اس سفر کو کبھی نہ بھلاؤ۔

فقط۔

وہ غلام جس کو شہزادی تاشہ نے آزاد کیا تھا۔

☆......☆......☆

موسیقی ہنوز بج رہی تھی۔ اور مہمانوں کی خوش گپیوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ہر طرف گہما گہمی لگی تھی۔ ایسے میں وہ دونوں لان کے سرے پہ کھڑے ایڈم کے موبائل سے وہ ای میل پڑھ رہے تھے۔

میل ختم ہوئی تو ایڈم نے اسکرین بجھا دی اور مردہ ہاتھوں سے فون جیب میں ڈالا۔ پھر تالیہ کو دیکھا۔

اس کی رنگت زرد پڑ چکی تھی اور وہ کسی مجسمے کی طرح ساکت کھڑی تھی۔

''ایڈم!'' اس نے بے یقین سی آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''یہ سب کیا تھا؟''

ایڈم کی آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے۔ گلا رندھ سا گیا۔ ''چے تالیہ.... انہوں نے ہمیں چننے کی بجائے اپنی پرانی زندگی کو چن لیا۔ میں نے آپ سے کہا تھا نا، یہ حکمران لوگ سمجھوتے کرتے وقت ہم ادنیٰ کارکنوں کو بھلا دیتے ہیں۔''

''ایڈم!'' اس کی خالی خالی آنکھیں ایڈم پہ جمی تھیں۔ ''وہ مجھے بھول چکے ہیں۔ وہ اداکاری نہیں کر رہے' وہ واقعی مجھے بھلا چکے ہیں۔ میری ساری ریاضتیں' ساری کوششیں.... میری ساری اچھائی وہ سب فراموش کر چکے ہیں۔ ان کو اتنا بھی یاد نہیں کہ ہماری شادی ہوئی تھی!''

وہ سکتے میں تھی۔ زمین اس کے پیروں تلے سے سرک رہی تھی اور سارا وجود جیسے کھائی میں گرتا جا رہا تھا۔

''وہ تو میری طرف دیکھنے کے روادار نہیں' میں انہیں کیسے وہ سب یاد کرواؤں گی جو قدیم ملاکہ میں ہوا تھا؟''

وہ بنا پلک جھپکے اس مشہور سیاستدان کو دیکھ رہی تھی جو کافی فاصلے پہ کھڑا تھا۔ اس کے گرد لوگوں کا جمگھٹا لگا تھا۔ وہ مسکرا کے بات کر رہا تھا اور لوگ موبائلز اور کیمروں سے مسلسل اس کی تصاویر بنا رہے تھے۔ باڈی مین' گارڈز' سیکرٹری... دائرے کی صورت اس کو اطراف سے گھیرے ہوئے تھے اور جیسے جیسے رش بڑھ رہا تھا' وہ غیر متعلقہ لوگوں کو اس کی طرف جانے سے روک رہے تھے۔

وہ نا قابلِ رسائی تھا۔

وہ ان سے بہت اوپر تھا۔

وہ ان کو ان پہچانتا تک نہیں تھا۔

اسے بس ان کے نام یاد تھے۔

ایک اس کا باڈی مین تھا۔ عام سا لڑکا جس نے دس گیارہ دن اس کے پاس کام کیا تھا۔

اور دوسری اس کی بیوی کی نئی دوست' بددیانت سطحی سی لڑکی تھی جو اس کے سالے میں انوالوڈ تھی۔

اور جس نے اس کی فائل چرائی تھی۔

وہ اپنی زندگی میں واپس چلا گیا تھا۔

اور وہ دونوں.... وہ اب اس کے کچھ بھی نہ تھے۔

اور اگر وہ اس کو کچھ بتاتے تو وہ کبھی یقین نہ کرتا۔

کوئی بھی یقین نہ کرتا۔

کیا ساری عمر جھوٹ بولنے کا یہ نقصان ہوتا ہے؟

کہ جب آپ اپنی زندگی کا سب سے بڑا سچ بولنا چاہو تو کوئی اس پہ یقین ہی نہ کرے؟



نمرہ احمد کا یہ خوبصورت ناول حالم ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلی قسط میں پڑھیے۔